قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۱ شمارہ: ۹

رمضان المبارک: ۱۴۳۹ھ - جون: ۲۰۱۸ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ:74800 پوسٹ بکس نمبر:3465

فون دفتر ''بینات'':021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر:7-397-101900 برانچ کوڈ:0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ، کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس:+92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

رحمتوں اور برکتوں کا موسمِ بہار!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

عاشقانہ ومحبانہ عبادت!	۹	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط: ۱۵)	۱۵	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
پولیو کے قطرے...عوامی تشویش اور سرکاری ذمہ داری!	۱۹	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
دینِ اسلام کو ہدفِ تنقید بنانے کے چند بنیادی اسباب وعلامات	۲۱	مولانا محمد عمر انور
ماہِ رمضان اور قرآن کریم.... چند مشترک خصوصیات	۲۷	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فضائلِ تہجد......قرآن وحدیث کی روشنی میں	۳۱	مفتی محمد وقاص رفیع
''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم (نویں اور آخری قسط)	۳۵	مولانا انعام اللہ

یادِ رفتگان

جانشینِ حکیم الاسلام...حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ	۴۵	مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی
حضرت سید عطاء المؤمن بخاریؒ کا سانحۂ ارتحال	۵۲	مولانا سید محمد کفیل بخاری
مولانا فیصل خلیل صاحب کے والد ماجد کی رحلت	۵۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت مفتی نظام الدین شامزیؒ کی والدہ محترمہ کی وفات	۵۶	" " "

دار الافتاء

اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت نمازِ نفل اور دو یا تین منٹ تاخیر کی شرعی حیثیت	۵۷	ادارہ

نقد ونظر

	۶۰	ادارہ

رحمتوں اور برکتوں کا موسمِ بہار!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جسم اور روح دو چیزوں کا مرکب بنایا اور ہر ایک کی حیات و دوام کے لیے اس کے مناسب رزق اور غذا کا انتظام کیا۔ روح آسمان سے آئی، اس کی بقا، صحت، آبیاری اور تروتازگی کا سامان بھی اوپر سے آیا۔ جسم مٹی سے بنایا گیا، اس کی حفاظت، بود و باش، خوراک اور علاج کی تمام تر سہولیات اسی زمین میں ودیعت رکھی گئیں۔ دونوں کی مناسب دیکھ بھال، نشو ونما اور حفاظت ہر انسان پر لازم اور ضروری ہے۔

جسم مٹی سے بنا ہے، اس نے ایک دن مٹی ہونا ہے۔ روح امرِ ربی ہے، اس نے ایک دن اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ روح کے طاقت ور ہونے سے جسم بھی طاقت پکڑتا اور محفوظ ہوتا ہے، لیکن جسم کے طاقت ور اور قوی ہونے سے روح کبھی طاقت ور اور مضبوط نہیں ہوتی۔

اس دنیا میں ہمارا جسم غالب اور روح مغلوب نظر آتی ہے، لیکن آخرت میں روح غالب اور جسم مغلوب ہوگا۔ ایک مسلمان، مومن، فرماں بردار، صادق، صابر، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے والا، روزہ دار، عفت مآب اور اپنے رب کو یاد رکھنے والا وہ اس پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ دنیا عارضی اور کھیل تماشا ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ جو وہاں کامیاب ہوا‘ وہ حقیقی کامیاب ہے اور جو وہاں ناکام ہوا‘ وہی حقیقت میں ناکام ونامراد ہے۔

انسان کو ناکام ونامراد کرنے کے لیے ایک طرف شیاطین اور اس کے آلۂ کار ہمہ وقت اور ہمہ

جہت مصروفِ عمل اور کارِ مسلسل میں ہیں ۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے راندۂ درگاہ کیا تو اس نے کہا تھا:

’’لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ ۔‘‘ (الاعراف:۱۶،۱۷)

’’میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر، پھر ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اکثروں کو ان میں شکرگزار۔‘‘

اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طلب اور استقامت کا حکم دیا ہے:

’’اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔‘‘ (الفاتحہ:۶،۷)

’’بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا۔‘‘

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو متنبہ اور خبردار کیا کہ:

’’إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوْ حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ ۔‘‘ (الفاطر:۶)

’’تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم بھی سمجھ رکھو اس کو دشمن، وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوں دوزخ والوں میں ۔‘‘

انسان کو ورغلانے اور پھسلانے کے لیے شیطان کا ایک مؤثر ہتھیار اور اسلحۂ دنیا کی رنگینی دکھانا اور آخرت کے متعلق غفلت میں ڈالنا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

’’يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلاَ تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلاَ يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔‘‘ (فاطر:۵)

’’اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، سو نہ بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز۔‘‘

اس شیطانی تأثر کی وجہ سے دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے، دلوں پر غفلت چھاجاتی ہے، صحیح اور غلط کا امتیاز مٹ جاتا ہے، ایمان کمزور ہوجاتا ہے، اعمالِ صالحہ کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے ۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے غفلت کو دور کرنے کے لیے بندوں کے ضعفِ ایمان اور ناکارہ اعمال کو ازسرِنو قوی اور کامل بنانے کے لیے رمضان المبارک کے چند گنتی کے دن عطا فرمائے، تاکہ انسان متقی اور فلاح یاب ہوجائے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

’’یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ أَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ۔‘‘ (البقرۃ:۱۸۳،۱۸۴)

’’اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر، تاکہ تم پرہیزگار ہوجاؤ، چند روز ہیں گنتی کے۔‘‘

یعنی روزہ کا مقصودِ اصلی تقویٰ کا حصول ہے، جس کے سبب اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے اور سب مادی وطاغوتی طاقتیں حق تعالیٰ کے سامنے پاش پاش ہوجاتی ہیں، تقویٰ کی وجہ سے ہرقسم کی فلاح بندہ کونصیب ہوتی ہے۔ جس کے دل میں تقویٰ ہے، اس کے اوپر کسی کا تسلُّط نہیں چلتا، نہ نفس کا، نہ شیطان کا، نہ باغیوں کا۔ تقویٰ مؤمن کے لیے ڈھال ہے۔ عبادت کا خاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ انسان کا رشتہ جوڑتی ہے، اس کے ساتھ ایک تعلق قائم کرتی ہے، جس کے نتیجے میں انسان کو ہروقت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ قوت وطاقت کی اصل روح تعلق مع اللہ ہی ہے، جس کا تعلق رب العالمین اور احکم الحاکمین سے مضبوط ہو اس کی طاقت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس تعلق اور نسبت کو پیدا کرنے اور بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی تمام احکامات پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے، جن میں سے ایک ذریعہ روزہ بھی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’الصوم لی وأنا أجزی بہ‘‘... ’’روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اَجر اور جزاء میں خود دوں گا۔‘‘ محدث العصر علامہ سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

’’اس زمانہ کے نوتعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کو ظاہری ترقی سے کیا تعلق ہے؟! گویا بالفاظِ دیگر دین کی پابندی کو دنیاوی ترقیات میں حائل سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی اس بے سروپا بات پر مجھ کو یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ: ’’ایک طبیب نے بادشاہ کو امراضِ چشم کے لیے کفِ پا میں مہندی لگانے کو بتایا، اس پر خواجہ سرا صاحب سے صبر نہ ہوسکا اور ناقدانہ انداز میں بولے کہ: جناب حکیم صاحب! کفِ پا اور چشم میں کیا تعلق ہے؟ طبیب نے فوراً منہ توڑ جواب دیا کہ: کفِ پا اور چشم میں وہی تعلق ہے جو خصیتین اور داڑھی میں ہے، یعنی یہ تو تجھے بھی تسلیم بلکہ مشاہدہ ہے کہ اگر خصیے نکال دیئے جائیں تو داڑھی نہیں نکلتی ہے اور اس تعلق کو تو کھلی آنکھوں اپنی ہی ذات میں دیکھ رہا ہے تو کف پا وچشم کے تعلق پر کیوں اعتراض وتعجب ہے؟! تو جیسے خواجہ سرا صاحب کی سمجھ میں کفِ پا وچشم کا تعلق نہیں آیا تھا، ایسے ہی ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان کی سمجھ میں دین اور ترقی کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ یہ تعلق اس تعلق سے بہت زیادہ ظاہر ہے۔ صدیوں تک مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ کفار نے بھی

مشاہدہ کیا ہے کہ دین کی پابندی نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیئے ہیں، اور مسلمانوں نے (جب سے) دین کی پابندی چھوڑنا شروع کردی ادھر ترقی نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔'' (بصائر وعبر، ج:۲،ص:۴۳۴، ۴۳۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ویسے تو دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کے لیے ہمیں چند فرائض وحقوقِ واجبہ کا مکلّف بنایا ہے، مگر اس ماہِ مبارک میں چند نوافل ومستحبات کے اضافہ کے ساتھ ہمیں زیادہ سے زیادہ حلاوتِ ایمانی، اعمال کی پاکیزگی اور اپنی حصولِ رضا کا موقع عطا فرمایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر اس لیے یہ احسان وانعام فرمایا کہ ان کے محبوب ﷺ اپنی امت کے فائز المرام ہونے پر خوش ہوجائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اعلان کا مصداق بنیں کہ:

''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰى۔''

''اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب، پھر تو راضی ہوگا۔''

اس لیے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اس ماہِ مبارک کے تمام لمحات ایسے گزاریں جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں، یعنی اس بات کا اہتمام کہ اعمالِ صالحہ کی کثرت کریں گے اور اس بات کی احتیاط کہ تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے بچیں گے۔ حضور اکرم ﷺ رجب کا چاند دیکھتے ہی ماہِ رمضان کی طلب اور تمنا میں لگ جاتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ کی ایک دعا ہے:

''اللّٰھم بارک لنا فی رجب و شعبان وبلغنا رمضان۔''

ترجمہ: ''اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجیے۔''

آپ ﷺ شعبان المعظم میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، پھر آپ ﷺ نے شعبان المعظم کے آخری دنوں میں رمضان کے متعلق ایک تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں رمضان کی فضیلت، اہمیت کے ساتھ ساتھ چند اہم کاموں اور باتوں کا حکم دیا، فرمایا کہ: عظمت اور برکت والا مہینہ آرہا ہے، جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس ماہ میں ایک نفل فرض کے برابر اور ایک فرض ستر فرائض کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور خیرخواہی کا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ روزہ افطار کرانے کا اجر وثواب، گناہوں کی بخشش اور جہنم سے آزادی اور روزہ دار کے برابر روزہ افطار کرانے والے کو ثواب کی صورت میں ملتا ہے۔ اس ماہ کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت، تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ رمضان المبارک میں ملازم سے کام ہلکا لینے

کی سفارش فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے رمضان میں چار کام کرنے کا حکم فرمایا ہے: ۱:- ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' کی کثرت، ۲:- استغفار کی کثرت، ۳:- جنت کا سوال، ۴:- جہنم سے پناہ۔

رمضان شریف میں دو عبادتیں سب سے بڑی ہیں: ۱:- کثرت سے نمازیں پڑھنا، اس میں تراویح کی نماز بھی شامل ہے، اس کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہیے، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ: یہ تراویح بڑی عجیب چیز ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روزانہ عام دنوں کے مقابلہ میں زیادہ مقاماتِ قرب عطا فرمائے ہیں، اس لیے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، جن میں چالیس سجدے کیے جاتے ہیں اور ہر سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ اس سے زیادہ اعلیٰ کوئی اور مقام نہیں ہوسکتا۔

۲:- اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کی کثرت کرنا چاہیے اور یہ تلاوتِ قرآن کئی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ جب ایک آدمی دل میں عقیدت، عظمت ومحبت اور یہ خیال کرکے تلاوت کرتا ہے کہ اللہ پاک سے ہم کلامی کی سعادت حاصل ہورہی ہے تو یہ دل کی عبادت ہے۔ زبان بھی تکلم کرتی ہے، یہ زبان کی عبادت ہے۔ کان سنتے جاتے ہیں، اور آنکھیں کلام الٰہی کی عبارت کے نقوش کی زیارت کرتی ہیں۔ تو گویا تلاوت کے وقت کئی اعضاء شریک ہوتے ہیں اور ان تمام اعضاء کو عبادات میں جداگانہ ثواب ملتا ہے، ان اعضاء کا اس سے زیادہ اور کیا صحیح مصرف ہوسکتا ہے اور یہ سعادتیں ہی نہیں، بلکہ ان میں تجلیاتِ الٰہی مضمر ہیں۔ نور حاصل ہوتا ہے اور نور کے معنی روشنی کے نہیں، بلکہ طمانیتِ قلب اور اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کے ہیں۔

جب تلاوت سے تکان ہونے لگے تو قرآن کریم بند کردیں اور پھر چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کلمہ طیبہ کا ورد رکھیں، دس پندرہ مرتبہ ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' تو ایک بار ''محمد رسول اللّٰہ'' پڑھتے رہیں۔ ان متبرک ایام میں اگر ذکر اللہ کی عادت ہوگئی تو پھر ان شاء اللہ! ہمیشہ اس میں آسانی ہوگی۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ پر درود شریف کی بھی کثرت رکھیں، جن کی بدولت ہمیں یہ سب دین ودنیا کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ استغفار کی کثرت کریں، یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعات وعبادات میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ اس طرح ایک مومن روزے دار کی ساری ساعتیں عبادت میں شمار کی جائیں گی۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ کا ملفوظ ہے کہ اگر توفیق وفرصت مل جائے تو بڑے کام کی بات بتارہا ہوں، تجربہ کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ نمازِ عصر کے بعد مسجد میں بیٹھے رہیں اور اعتکاف کی نیت کرلیں، قرآن کریم پڑھیں، تسبیحات پڑھیں اور غروبِ آفتاب سے پہلے ''سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم'' اور کلمۂ تمجید ''سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر'' پڑھتے

رہیں اور قریب روزہ کھولنے کے خوب اللہ پاک سے مناجات کریں اور اپنے حالات و معاملات پیش کریں، دنیا کی دعائیں مانگیں۔ اس ماہِ مبارک میں ہر نیک عمل کا ستر گنا ثواب ملتا ہے، چنانچہ جہاں عبادات وغیرہ ہیں وہاں اس ماہِ مبارک میں صدقہ وخیرات اپنی حیثیت کے مطابق خوب کرنا چاہیے، اپنی حیثیت کے مطابق جس قدر ممکن ہو، یہ سعادت بھی حاصل کریں۔

اسی طرح اپنے مرحوم اعزہ وآباء واجداد اور احباب کے لیے ایصالِ ثواب کرنا بھی بڑے ثواب کا کام اور بہترین صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق ہم پر واجب فرمائے ہیں، انہوں نے ہمیں پالا، ہماری پرورش کی، دعائیں کیں، راحت پہنچائی، ان کا بہت بڑا حق ہے، کیونکہ والدین کو اللہ تعالیٰ نے مظہرِ ربوبیت بنایا ہے، اس عملِ خیر کا ثواب ہمیں بھی اتنا ہی ملے گا جتنا ہم اُنہیں ہدیہ کررہے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ملے گا، کیونکہ یہ ہمارا ایثار ہے اور اس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

اس رمضان المبارک میں ہمیں اس بات کی طرف بھی غور کرنا ہے کہ میں نے اپنا ایمان اور اسلام ٹھیک کرنا ہے۔ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمارے ایمان کا، ہمارے دین کا، ہمارے اسلام کا، ہمارے رب اور ہمارے نبی ﷺ کا ہم سے کیا مطالبہ ہے؟! ہم مسلمان ہیں تو کس صورت میں؟! اور مومن ہیں تو کیسے مومن ہیں؟! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کیا بتایا ہے؟! اس کی کیا تشریح کی ہے کہ ایمان والے کون ہوتے ہیں اور مسلم کیسے ہوتے ہیں؟! ورنہ دنیا اور آخرت کے بڑے خسارے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ آج ہم اپنی خواہشات کے بندے بنے ہوئے ہیں، نہ قرآن کو دیکھتے ہیں، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کا خیال ہے۔ سب کے سب شعورِ ایمانی اور شعائرِ اسلام سے بے گانہ ہوئے جارہے ہیں۔ بھائی! آخرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے، جہالت میں پڑکر مطمئن نہیں رہنا چاہیے۔

اب جائزہ لیجئے کہ دین کے ہر شعبے میں ہم کس قدر فرائض وواجبات ادا کررہے ہیں اور کس قدر گناہوں سے بچ رہے ہیں۔ دین کے پانچ اجزاء ہیں: عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات۔ انہیں پانچ شعبوں سے متعلق احکاماتِ الٰہیہ کا نام دین ہے، جس پر ہم سب کو عمل کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بے انتہا فضل وکرم ہے کہ ہمیں نبی رحمت ﷺ کے توسل سے رمضان المبارک کی صورت میں وہ دولت گراں قدر حاصل ہے کہ عالمِ امکان میں کسی اُمت کو حاصل نہیں۔ اس لیے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس کی تمام ساعات اور لمحات کو قیمتی بنانا چاہیے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

عاشقانہ ومحبانہ عبادت!

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بشریت کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں، کبھی نفسانی خواہشات کی راہ سے اور کبھی عدوِ مبین شیطان لعین کے فریب وتلبیس کی راہ سے اور کبھی شیاطین الانس (انسانی شیطانوں) کے وساوس اور غلط ماحول کے برے اثرات سے، لیکن ارحم الراحمین کی رحمتِ کاملہ قدم قدم پر اس کمزور فطرت انسان کی برابر دستگیری فرماتی رہتی ہے۔ عقل جیسی نعمت عطا فرمائی اور پھر عقل کی رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ورسالت اور آسمانی تعلیمات کا نظام جاری فرمایا اور اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لیے تو اس رحمتِ کاملہ کے مظاہر رحمت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ عبادت وعبودیت کے مظاہر، (افعال واعمال) میں انتہائی تیسیر وتسہیل (سہولت اور آسانی) اور پھر اس عبادت پر بے کراں اجر وثواب اور قدم قدم پر قبولیت اور رضامندی کی بشارتیں، انہی بے کراں نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ماہِ رمضان المبارک ہے، جو سرتاپا ماہِ رحمت ہے اور ماہِ برکت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخوں میں خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جس میں ا:......ایک رات (شب قدر) ایسی ہے کہ اس میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ ۲:......اس مہینہ کے دنوں میں روزے فرض ہیں اور اس کی راتوں میں نمازیں پڑھنا بہت زیادہ باعثِ خیر وبرکت ہے۔ ۳:......اس مہینہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔ ۴:......اور فرض کا اجر وثواب ستر گنا ملتا ہے۔ ۵:...... یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ ۶:......مسلمانوں خصوصاً فقراء کے ساتھ مواسات وہمدردی کا مہینہ ہے۔ ۷:......مومن کا رزق اس مہینہ میں بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ۸:......ایک روزے دار کا روزہ افطار کرانے والے کے بہت سے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے رہائی نصیب ہوتی ہے اور خود اس روزہ دار کو اپنے روزہ کا ثواب الگ ملتا ہے اور لطف وکرم یہ ہے کہ روزہ دار کا ثواب بالکل کم نہیں ہوتا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ روزہ کی یہ افطاری

چاہے دودھ کی لسی ہو یا ایک کھجور کا دانہ یا پانی کا ایک گھونٹ ہو۔ ۹:......کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کے صلہ میں حوضِ کوثر سے وہ سیرابی نصیب ہوگی جس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ ۱۰:......اس مہینہ کا پہلا عشرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، درمیانی عشرہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت ہے اور آخری عشرہ دوزخ کی آگ سے رہائی کا پیغام ہے۔ ۱۱:......جس روزہ دار نے اپنے غلام (یا نوکر یا مزدور) کا بوجھ ہلکا کردیا اس کے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الثالث، ص:۱۷۳، ط: قدیمی)

احادیثِ نبویہ میں ماہِ رمضان کے فضائل و برکات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کے بیان کرنے کی ان صفحات میں گنجائش نہیں، اسی ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ولیِ کامل بنانے کا آسمانی نسخہ

ماہِ رمضان درحقیقت مومن کو ولی کامل بنانے کا ایک عجیب آسمانی نسخہ ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَهُمْ يَحْزَنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ''۔ (یونس:۶۲،۶۳)

''یاد رکھو! بلا شبہ اللہ کے ولی اور دوست وہ ہیں جن کو نہ کوئی خوف (ودہشت) ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ولی- جو ہر خوف وغم سے آزاد ہوتا ہے- ہر وہ شخص ہے جس میں یہ دو وصف موجود ہیں: ۱:......ایمان اور ۲:......تقویٰ، گویا کمالِ تقویٰ کا دوسرا نام ولایت ہے۔ اس ارشادِ گرامی کے بعد حسبِ ذیل آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو:

''يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔'' (البقرۃ:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

اس آیتِ کریمہ میں حصولِ تقویٰ کا ذریعہ روزے کو قرار دیا ہے۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف نتیجہ نکلا کہ روزہ ولی اللہ بننے کا وسیلہ ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ

اب ذرا غور فرمائیں! روزہ رکھنے سے تقویٰ کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا ایک فرض حکمِ خداوندی کی تعمیل ہے، روزہ رکھنے سے منہیات (ممنوع کاموں) اور برائیوں سے اجتناب میسر آئے گا۔ برائیاں کچھ تو ایسی ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے، کچھ کا تعلق پیٹ سے ہے، کچھ کا تعلق شرمگاہ سے ہے اور ان سب کا تعلق نفسِ انسانی کی خواہشات سے۔ نفسانی خواہشات بھی مختلف قسم کی ہیں: کچھ خصلتیں تو انسان میں درندوں کی ہیں، دوسروں کو مارنا، پیٹنا، توڑنا، پھوڑنا اور غیظ وغضب کے تقاضوں کو پورا کرنا۔ کچھ خاصیتیں جانوروں کی ہیں: شکم پروری، تن پروری، کھانے پینے اور سونے وغیرہ

کے مشاغل اور اس کے نتیجہ میں حوائجِ ضروریہ۔ کچھ نفسیاتی تقاضے شرم گاہ سے متعلق ہیں جن کو ہم عرف میں نفسانی خواہشات کہتے ہیں۔ یہ تینوں نفسانی قوتیں اور ان کی خواہشات جب تک قابو میں نہ آئیں، تقویٰ کا حصول ممکن نہیں۔

اسلام یہ چاہتا ہے اور تمام علماء اخلاق کا کہنا بھی یہی ہے کہ ان تینوں قوتوں کی تہذیب واصلاح، مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ ہو جائے، یعنی ان کا رُخ صحیح ہو جائے، ان کا استعمال بروقت اور برمحل ہو، بے جا اور ناوقت استعمال اور غلط راہ روی سے کلی طور پر اجتناب ہو جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے حکماء وعقلاء میں ہمیشہ سے چند اُصولی اُمور پر اتفاق رہا ہے:

''۱:...... تقلیلِ طعام (کم خوری)، ۲:...... تقلیلِ کلام (کم گوئی)، ۳:...... تقلیلِ منام (کم خوابی)، ۴:...... تقلیلِ اختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا جلنا)۔''

ماہِ رمضان کے روزے ان تینوں مقاصد کو پورا کرتے ہیں: روزہ دار کو.....۱:.....دن میں طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پورا کرنے سے بالکل روک دیا گیا ہے۔۲:.....رات میں تراویح، قیامِ لیل، شب بیداری کے ذریعہ نیند پر کنٹرول کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔۳:......تلاوتِ کلام اللہ اور ذکر اللہ واستغفار کی کثرت کی ترغیب دے کر قلتِ کلام (کم گوئی) کی تدبیر کی گئی ہے۔۴:......رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کو مسنون قرار دے کر لوگوں سے کم ملنے جلنے اور بلاضرورت میل جول ترک کرنے کی عادت پیدا کرنے کی تدبیر کی گئی ہے۔

پورے ایک ماہ یہ ریاضت کرانے کا مقصد یہی ہے کہ یہ خصلتیں مستقل عادات واخلاق بن جائیں، چنانچہ پورے تیس دن سحری کا حکم دے کر سحر خیزی کی عادت ڈالی جاتی ہے اور پورے ایک ماہ تراویح کا حکم دے کر شب میں کثرت سے نفلیں پڑھنے کی عادت ڈالنا مطلوب ہے۔

یہی روزہ کے مقاصد ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے حسبِ ذیل ارشاداتِ عالیہ کامل غور وفکر اور توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور ان پر عمل کیجئے:

۱:......''**مَن لم یَدَعْ قولَ الزورِ و العملَ بہٖ فلیس للّٰہ حاجۃٌ فی أن یَّدَعَ طعامَہٗ وشرابَہٗ۔**'' (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ، ج:۱،ص:۲۵۵، ط: قدیمی)

''جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹے (بڑے) کام کرنے نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑے (جب روزہ کا مقصد پورا نہیں کرتا تو بھوکا پیاسا مرنے کی کیا ضرورت ہے؟)۔

۲:......''**وإذا کان یوم صوم أحدکم فلا یرفث ولا یصخب فإن سابَّہٗ أحدٌ فلیقل إنی صائم۔**'' (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب ھل یقول إنی صائم إذا شتم؟، ج:۱،ص:۲۵۵، ط: قدیمی)

''اور جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو اس کو نہ کوئی بے شرمی وبے حیائی کی بات کرنی

چاہیے اور نہ شور وشغب کرنا چاہیے۔ اگر اس سے کوئی سخت کلامی یا گالم گلوچ یا ہاتھا پائی کرے تو اس کے جواب میں بس اتنا کہہ دے میرا روزہ ہے۔‘‘

۳:......’’کم من صائم لیس لہٗ من صیامہٖ إلا الظمأ و کم من قائم لیس لہٗ من قیامہٖ إلا السَہر۔‘‘ (سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب فی المحافظۃ علی الصوم، ج:۲،ص:۳۹۰، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

’’بہت سے روزہ دار ہیں جن کے روزہ کا حاصل بجز بھوک پیاس کی مصیبت جھیلنے کے اور کچھ نہیں اور کتنے ہی راتوں کو نماز پڑھنے والے ہیں جن کی نمازوں کا حاصل بجز مفت کی جگائی کے کچھ نہیں۔‘‘

۴:......’’لیس الصیام من الأکل والشرب ، إنما الصیام من اللغو والرفث، فإن سَابَّکَ أحدٌ أو جھل علیک فقل: إنی صائم۔‘‘

(صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الصیام، باب النہی عن اللغو فی الصیام، ج:۳،ص:۲۴۲، ط: المکتب الاسلامی، بیروت)

’’روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے اور بچنے کا نام نہیں، روزہ تو حقیقت میں صرف بے ہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے رُکنے اور بچنے کا نام ہے، پس اگر کوئی تمہیں گالی دے یا تمہارے ساتھ بدتمیزی کرے تو تم کہہ دو! میاں! میرا روزہ ہے۔‘‘

۵:......’’رُبَّ صائمٍ لیس لہٗ من صیامہٖ إلا الجوع۔‘‘

(سنن ابن ماجہ، ابواب ما جاء فی الصیام، باب ما جاء فی الغیبۃ والرفث للصائم، ص:۱۲۱، ط: قدیمی)

’’بہت سے روزے دار ہوتے ہیں جن کے روزوں کا حاصل بھوکے مرنے کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

۶:......’’من لم یدَعِ الخنا و الکذب فلا حاجۃ للّٰہ أن یدعَ طعامَہٗ وشرابَہٗ۔‘‘

(المعجم الاوسط للطبرانی، ج:۴،ص:۶۵، ط: دار الحرمین، قاہرۃ)

’’جو روزہ دار فحش کام (گالی گلوچ، بے شرمی کی باتیں) اور جھوٹ نہیں چھوڑتا اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔‘‘

۷:......’’الصیام جُنَّۃٌ مالم یخرقھا قیل: و بم یخرقھا؟ قال: بکذب أو غیبۃ۔‘‘

(سنن النسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، ج:۱،ص:۳۱۱، ط: قدیمی)

’’روزہ (گناہوں سے بچانے والی) ایک سَپَر (ڈھال) ہے جب تک روزہ دار اس کو نہ توڑے، عرض کیا گیا: اس ڈھال کو توڑنے والی کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جھوٹ اور غیبت۔‘‘

ان احادیث کو اپنے روزوں کا جائزہ لینے کی غرض سے دوبارہ غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے کیسی کیسی تدبیروں سے اپنی اُمت کی تربیت اور ان کے روزوں کی حفاظت فرمائی ہے، تاکہ روزوں کا خاطر خواہ فائدہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی تربیت حاصل ہو۔

مجاہدۂ نفس اور روزہ

الغرض اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کو مجاہدۂ نفس کا مہینہ بنایا ہے، تاکہ اُمت کی ظاہری

و باطنی تربیت اور اصلاح ہو سکے اور ان کو یہ موقع اس لیے دیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور گزشتہ پورے سال میں جو کوتاہی کر چکے ہیں اس کا تدارک کریں اور آئندہ کے لیے بھی ایسی تیاری کرلیں کہ جلد نفس و شیطان کے اثرات سے متأثر نہ ہوں۔ دن کو روزہ جیسی مبارک عبادت فرض کی جو عجیب و غریب اصلاحی تدابیر پر مشتمل ہے اور یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزہ دار کسی سے سخت کلامی بھی نہ کرے اور کوئی بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے، بلکہ اگر کسی نے سخت کلامی کی اور کوئی تکلیف پہنچائی تو بغیر روزہ کے اگرچہ اتنی ہی مقدار میں بدلہ لینے کی اجازت ہے، لیکن روزے کی حالت میں اس کی بھی اجازت نہیں، صرف اتنا کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، یعنی جواب سے معذور ہوں۔ افطاری وسحری میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے اور شرعی ہدایات اور نبوی ارشادات کے مطابق روزہ رکھ لیا جائے تو درحقیقت انسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہو جائے گا اور روحانیت ترقی کر کے ایسی منزل پر پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں جلوہ گر ہو جائے اور محبتِ الٰہی کا وہ اثر دل میں پیدا ہو جائے گا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن ہی نہیں۔ رات کو تراویح کی عبادت مقرر کر دی، تاکہ نماز اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے نفسِ انسانی پر وہ نقوش مرتسم ہو جائیں جو کسی اور تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم زبان سے خود پڑھتا ہے یا کانوں سے سنتا ہے، قیام و رکوع و سجود سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عبادت میں مشغول ہے، کبھی دعا میں سربسجود ہے اور کبھی تسبیح و تہلیل وردِ زبان ہے۔ قدرت کیسے روحانی عجیب و غریب سیر و سلوک سے منازل عشق کا سفر طے کرا رہی ہے، سبحان اللہ!

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد کا جو مختصر وقفہ ہے، اس میں تسبیحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس و بزرگی کی جاتی ہے اور بندہ اپنے خدا کے حضور میں حاضر رہتا ہے اور برکاتِ روحانی سے مالا مال ہوتا ہے، یہ بڑا قیمتی وقت ہے، اس میں توجہ الی اللہ سے غفلت نہیں ہونی چاہیے، کلمۂ تمجید تو ہر شخص کو یاد ہوتا ہے، یعنی: ''**سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر و لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم**'' وہ پڑھ لیا کرے، یا ''**سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم**'' کا وِرد جاری رکھے اور فقہاء نے ایک خاص تسبیح جو بہت ہی جامع ہے لکھی ہے، وہ یہ ہے: ''**سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزۃ والعظَمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت، سبحان الحی الذی لا ینام ولا یموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، نستغفر اللّٰہ، نسألک الجنۃ ونعوذبک من النار**'' اس کو تین مرتبہ ہر ترویحہ میں اور وتر اور تراویح کے وقفہ میں پڑھا کریں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان میں شرعی احکام کا ایسا پروگرام بنایا کہ انسان چاہے تو اپنی پوری زندگی میں صالح و متقی بن جائے۔ نیز ماہِ صیام میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دے کر متقی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو سخی بنانے کی بھی تدبیر فرمائی اور اس کے طبعی بخل کی اصلاح اس طرح

کی۔ الغرض پورے مکارمِ اخلاق، تقویٰ وصلاح، نیکو شعاری اور نیک گفتاری، جود وسخا اور کرمِ نفس کی ایسی تلقین کی گئی اور اس کے لیے ایسا پروگرام بنایا گیا کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے اور اس سے بہتر تدبیر کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ قرآن کریم کے ایک لفظ میں ان سب باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا، ارشاد ہے: ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ''، یعنی ''تم پر روزہ اس لیے فرض کیا گیا تاکہ تم متقی وصالح بن جاؤ۔''

دینی تربیت اور ماہِ رمضان

آج کل والدین اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بے حد کوتاہی کرتے ہیں، حالانکہ جس طرح ان کے ذمہ فرض ہے کہ خود نماز پڑھیں، صالح اور متقی بنیں، اسی طرح ان کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ اپنی اولاد کو اور گھر والوں کو نماز سکھائیں اور پڑھائیں، چنانچہ حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیں، گویا نماز سکھانا اس سے بھی پہلے ہوگا اور اگر دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو والدین اس کو پیٹیں اور نماز پڑھائیں۔ الغرض دینی تربیت دینا اور صالح بنانا بھی ان کے ذمہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تاکیداً فرمایا ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا'' (التحریم:۶) یعنی ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔'' ماہِ رمضان سے یہ فائدہ بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ان دنوں مغرب اور عشاء کی نماز میں بچوں کو آنے کا طبعاً شوق رہتا ہے، اسی طرح سحری میں اُٹھنے کا بھی شوق ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قدرتی روشنی ان کے دل میں ہوتی ہے۔ اگر بچے کے اس فطری جذبہ اور شوق وصلاحیت سے کام لیا جائے تو نہایت آسانی سے نماز وسحر خیزی کا عادی بنایا جاسکتا اور یوں رمضان کی برکت سے اپنی اولاد کو صالح بنانے کی بھی تدبیر کی جاسکتی ہے۔ اگر انسان خود ان باتوں پر عمل کرے تو خود بخود اولاد کو صالح ونیک بنانے کی صورتیں نکل آتی ہیں، نیز چونکہ حدیث میں اس مہینہ کو ہمدردی کا مہینہ فرمایا گیا ہے، اس لیے پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات اور محبت قائم کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے ہاں تھوڑا سا ہدیہ بھیجنے میں بھی بہت سا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دلوں میں محبت بڑھا دیتے ہیں اور نیکی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں، اپنے چاروں طرف نیکی کی یاد دلانا اور نیکی پھیلانے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر فرض کیا ہے، لہٰذا محض اللہ تعالیٰ کے لیے باہمی محبت اور نیک برتاؤ ضروری ہے۔ رمضان کے مہینے سے اس کام میں بھی بڑی مدد ملتی ہے اور بہت برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہوں اور اس عاشقانہ ومحبانہ عباداتِ الٰہی کے ثمرات وآثار سے بیش از بیش حصہ نصیب ہو، آمین۔

وصلى الله على خير خلقه حبيب رب العالمين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام ...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(پندرھویں قسط)

﴿ مکتوب: ......۲۵ ﴾

جناب صاحبِ فضیلت، علامہ یگانہ، محققِ یکتا، مولانا سید محمد یوسف بنوری **حفظه الله ورعاه، ووفقهٗ وإيانا لكل ما فيه رضاه في خير وعافية** (اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، اور آپ کو اور ہمیں خیر وعافیت کے ساتھ اپنی رضا والے اعمال کی توفیق بخشے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ کو آپ کا والا نامہ موصول ہوا، آپ کی صحت وعافیت سے بہت مسرت ہوئی، اس عاجز کی صحت کے بارے مسلسل اہتمام پر آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قوت وطاقت بخشے، اور آپ کو مزید صحت عنایت فرمائے، تاکہ آپ علمی خدمات پیش کرسکیں، جن کا اس غبار آلودہ دور میں آپ سے انتظار ہے۔ آپ نے تکلیف اُٹھا کر دائرہ (**دائرة المعارف النعمانية**) کی تمام مطبوعات کے نام ذکر کیے، اس افادے پر بھی آپ کا شکریہ۔ جزء ثانی بمع دونوں قسم مطبوع ہے۔ ''**تاريخ البخاري**'' کا جزء ثالث (دونوں قسم) نہیں چھپا، میرے پاس جزء اول وجزء رابع (دونوں قسم) ہیں، ثانی ہی میرے پاس نہیں ہے۔

مولانا میاں کو ''**إحياء المعارف النعمانية**'' کے متعلق دوسری بار لکھا تھا، لیکن جواب نہیں مل پایا، شاید وہ مصروف ہیں، انہوں نے آنجناب کو ''**نصب الراية**'' کے چار نسخوں کا لکھا ہے، اس پر بہت شکر گزار ہوں، توقع ہے کہ آپ انہیں خط ارسال کرتے وقت میرا شکریہ پہنچائیں گے۔ میں یہ نسخے ہدیتاً نہیں، قیمتاً لینا چاہ رہا تھا، لیکن انہوں نے اپنی فطری فیاضی کی بنا پر مزید مہربانی فرمادی، اللہ انہیں دارین کی

سعادتیں عطا فرمائے، اور انہیں اور ہمیں صحت و عافیت اور خوش بختی کے ساتھ ہر خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

شاید ''**حسن التقاضی فی سیرة الإمام أبی یوسف القاضی**'' آپ تک پہنچ گئی ہوگی، میرے عظیم تر بھائی! اس عاجز کے لیے آپ کا شوق و محبت میرے (دل میں آپ کے لیے موجزن) جذبات کا ہی کچھ حصہ ہے، مجلسِ علمی کے لیے بطورِ ہدیہ ''النکت'' کے پچاس نسخے برآمدکنندہ کے سپرد کر چکا ہوں کہ بذریعہ ڈاک آپ کو بھیج دے، تاکہ ان میں مجلس جیسے چاہے تصرف کرے، احباب کو ہدیہ کرے یا فروخت کرے، میں نے اُس عظیم تحفے کے بدلے یہ معمولی ہدیہ پیش کیا ہے۔

اُمید ہے مولانا مفتی (مہدی حسن شاہ جہان پوری)، مولانا ابوالوفاء اور دیگر تمام احباب بخیر و عافیت ہوں گے، جب آپ اپنے جلیل القدر والدِ محترم کو خط لکھیں تو مہربانی فرما کر ان کی دست بوسی کے ساتھ میرا مخلصانہ سلام پہنچا دیجیے گا، ان کی بابرکت دعاؤں کا امیدوار ہوں۔

علامہ احمد بن حسن بیاضیؒ (متوفی: ۱۰۹۸ھ)(۱) کی ''**إشارات المرام من عبارات الإمام**'' کی ایک جلد میں ''**مطبعة مصطفی البابی**'' سے طباعت جاری ہے۔ ماتریدیہ کے عقائد میں یہ اہم کتاب ہے(۲)، اس کا متن ''**الأصول المنیفة للإمام أبی حنیفة**ؒ''، الٰہیات میں محتاط متن ہے (جو امام صاحبؒ کی ''**العالم والمتعلم**''، ''**الفقه الأکبر**''، ''**الفقه الأبسط**''، ''**رسالة الإمام إلی عثمان البتی فی الإرجاء**'' اور ''**الوصیة**''(۳) کی عبارات پر مشتمل ہے)، متن و شرح دونوں اس علمِ کلام کے ماہر جلیل القدر عالم کے ہیں، شاید یہ کتاب ایک ماہ بعد چھپ جائے گی۔ ان دنوں بحری ڈاک کی جو حالت ہے اس کی بنا پر شاید ''**النکت**'' کے پہنچنے میں تاخیر ہوگی۔ اُمید ہے کہ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے نہ بھولیں گے میرے عزیز تر محترم بھائی!

مخلص

محمد زاہد کوثری

۲۹ / ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

شارع عباسیہ نمبر: ۶۳، قاہرہ

پس نوشت:

توقع ہے کہ عزیز بھائی مولانا احمد رضا بجنوری کو خط ارسال کرتے وقت میرا سلام پہنچائیں گے۔ امید ہے مولانا (ظفر احمد) تھانوی بھی بخیریت ہوں گے۔

بلاشبہ ''**معجم المصنفین**''(۴) کی خاص اہمیت ہے، شاید انہوں نے مولانا (آدم) بنوریؒ کے حالات کے بیان میں توسع سے کام لیا ہے۔(۵)

صاحبِ ''التحفة المرسلة ''(۶) محمد بن فضل اللہ برہان پوری (متوفی: ۱۰۲۹ھ) (۷) کے حالاتِ زندگی کہاں ملیں گے؟

حواشی

۱:- احمد بن حسن بیاضی حنفیؒ: فقیہ ومتکلم، عثمانی حکومت میں صاحبِ مرتبہ تھے، کئی اسلامی شہروں کے قاضی رہے، ۱۰۴۴ھ میں بوسنیا میں ولادت ہوئی اور ۱۰۹۸ھ میں استنبول کے قریب ایک گاؤں میں انتقال ہوا۔

دیکھیے: ''خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر ''محمد امین بن فضل اللہ محبیؒ: ج ۱، ص: ۱۸۱-۱۸۲ اور ''الأعلام'' زرکلیؒ، ج: ۱، ص: ۱۱۲۔

۲:- علامہ محبیؒ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''اس میں بہت سے مباحث کا استیعاب کیا ہے، اور بہت عمدہ کام کیا ہے۔ (خلاصة الأثر، ج: ۱، ص: ۱۸۱) علامہ کوثریؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ مسئلہ جبر واختیار کی تحقیق کے متعلق یہ کتاب اور ''اللمعة'' اور ''النظامية'' سب سے بہتر تالیفات ہیں۔ ملاحظہ کیجیے: ''الاستبصار'' (ص: ۴)

۳:- دیکھئے: ''إشارات المرام'' بیاضی (ص: ۲۱-۲۲)۔ علامہ کوثریؒ نے کتاب ''العالم والمتعلم'' بروایتِ ابو مقاتل عن أبي حنیفہؒ، مسئلہ ارجاء کے متعلق ''رسالة أبي حنيفةؒ إلى البتي إمام أهل البصرة'' اور امام صاحبؒ کی ''الفقه الأبسط'' بروایتِ ابو مطیع شائع کی ہیں۔ دیکھیے: آگے مکتوب نمبر: ۲۷۔

۴:- یہ مولانا محمود حسن خان ٹونکیؒ کی تالیف ہے، جو تراجم (رجال کے احوالِ زندگی) کے بڑے عالم تھے، ۱۳۶۶ھ میں انتقال ہوا، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان کی یہ کتاب ''معجم المصنفين'' ساٹھ جلدوں اور لگ بھگ چالیس ہزار تراجم پر مشتمل ہے، لیکن محض چار ہی جلدیں طبع ہوئی ہیں۔

ملاحظہ کیجیے: ''الأعلام'' زرکلیؒ (ج: ۷، ص: ۱۶۷)، ''نزهة الخواطر'' (ج: ۸، ص: ۱۳۷۷)، ''الإعلام'' محمد آل رشید (ص: ۱۵۲)، اور ''حياة العلامة المحدث حيدر حسن خان الطونكي'' محمد عامر صدیقی ٹونکی (ص: ۶۷-۷۲)

۵:- مولانا محمود حسن ٹونکیؒ نے اپنی کتاب ''معجم المصنفين'' میں ہمارے جدِامجد شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل حالاتِ زندگی لکھے ہیں، دیکھیے: کتابِ مذکور (ج: ۳، ص: ۱۰-۱۴)۔

۶:- ''التحفة المرسلة إلى النبيؐ'' مراد ہے، اس حوالے سے علامہ محبیؒ لکھتے ہیں: ''موصوف اس کتاب سے سنہ ۹۹۹ھ میں فارغ ہوئے، اور پھر اس کی لطیف شرح لکھی، جس میں انوکھے مباحث لائے، اور محقق صوفیاء جن موہم و نادرست شطحیات میں پڑتے ہیں ان کا ایسا اعتذار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب اور اچھا ٹھکانہ کی نیت رکھنے والے شخص کے ہاں قابلِ قبول ہوگا، اس کی شرح لکھنے والوں میں سربرآوردہ محقق ابراہیم بن حسن کورانی مہاجر مدنیؒ بھی ہیں۔ دیکھیے: ''خلاصة الأثر'' (ج: ۱، ص: ۱۱۰)

محقق کورانیؒ کی اس شرح کا نام ''إتحاف الذكي بشرح التحفة المرسلة إلى النبيؐ'' ہے۔ ملاحظہ کیجیے: ''هدية العارفين'' اسماعیل پاشا (ج: ۱، ص: ۳۵) اور اس کے کئی نسخے دنیا بھر کے کتب خانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۷:- محمد بن فضل اللہ برہان پوری: کبار صوفیاء میں سے ہیں، ان کی طرف وحدت الوجود کا قول منسوب ہے، برہان پور انڈیا میں سنہ ۱۰۲۸ھ میں وفات پائی۔

(جاری ہے)

پولیو کے قطرے

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، واستاذ جامعہ

عوامی تشویش اور سرکاری ذمہ داری!

﴿ خط ﴾

محترم مفتی صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کے علم میں ہوگا کہ پولیو مہم مملکتِ خداداد میں انتہائی زور وشور سے جاری ہے۔ انکاری افراد کو بزوراسلحہ قطرے پلائے جاتے ہیں۔ عوام وخواص میں ایک تشویش پائی جاتی ہے کہ آیا یہ قطرے مفیدِ صحت ہیں یا نہیں؟!

بعض علماء کرام کی جانب سے جواز، جبکہ بعض علماء کرام کی جانب سے عدم جواز کے فتوے آتے رہتے ہیں، اب عوام میں تشویش پایا جانا امرِ لازم ہے۔

آنجناب سے ہماری گزارش ہے کہ اپنی مفید آراء وفتویٰ سے ہمیں مستفید فرمائیں۔ والسلام
دارالافتاء دارالعلوم قاضی حسام الدین، تیراہ بازار، تحصیل وضلع کوہاٹ

﴿ جواب ﴾

پولیو قطرے مبینہ طور پر حالیہ یا لاحقہ بیماری کے انسداد کی مہم ہے، جو کہ بنیادی طور پر طبی ماہرین کا موضوع ہے نہ کہ شرعی ماہرین کا۔ شرعی ماہرین اس مہم کے بارے میں جو بھی رائے قائم فرمائیں تو اس سے قبل پولیو کی افادیت یا مضرت کے تعین کے لیے طبی ماہرین کی رائے پر انحصار کرنا ہوگا۔ اگر طبی ماہرین پولیو کی افادیت یا ضرورت پر متفق ہوجائیں تو شرعی ماہرین پولیو مہم کو جائز اور مباح کہہ سکیں گے، اگر معاملہ برعکس ہو تو علماء شریعت کا فتویٰ بھی یقیناً برعکس ہوگا۔ فی الوقت صورت حال یہ ہے کہ ڈاکٹروں کا ایک طبقہ اُسے مفید بلکہ ضروری بتاتا ہے اور اس سرگرمی کو حکومت کی اجازت بلکہ تائید وحمایت بھی حاصل ہے، اس لیے اس مہم کے خلاف محاذ آرائی کی ضرورت وگنجائش تو کم از کم معلوم نہیں

ہوتی، لیکن دوسری طرف بعض طبی، علمی اور عوامی حلقوں کی جانب سے پولیومہم کے بارے میں گاہے گاہے کچھ تحفظات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ ان تحفظات کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ پولیومہم کو غیر ضروری ثابت کیا جاتا ہے، بلکہ اُسے غیر مفید اور مضر تک ثابت کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں پولیومہم کی افادیت باور کرانے یا خالص طبی معاونت قرار دینے میں بلاشبہ کچھ رکاوٹیں محسوس ہوں گی اور تشویش کا اظہار کرنے والوں کے خیالات کو تقویت بھی ملتی رہے گی اور عوام وخواص پولیومہم کے بارے میں مخمصے کا شکار بھی رہیں گے، لہٰذا اس مخمصے سے نکلنے کے لیے حل یہ ہوسکتا ہے کہ حکومتِ وقت نے چونکہ اس مہم کی سرپرستی قبول کی ہے اور اس مہم کے خالص طبی فوائد کی ضمانت دی ہے، اس لیے حکومتِ وقت کا فرض بنتا ہے وہ اس مہم کی افادیت کو عام کرنے کے لیے اس مہم کی راہ میں پائی جانے والی رکاوٹوں اور تشویشات کو دور کرنے کی غرض سے کچھ ضروری اقدامات بھی کرے۔ ہماری رائے میں اس حوالے سے حکومتِ وقت پر درج ذیل اقدامات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے:

۱:...... پولیومہم کی افادیت واہمیت کو واضح طور پر اپنی ذمہ داری کے ساتھ مشتہر کرائے اور پولیوٹیموں کو ان کی خدمات کے دوران بھرپور تحفظ وسیکورٹی بھی فراہم کرے۔

۲:...... جو لوگ طبی لحاظ سے پولیوقطروں پر تحفظات رکھتے ہیں، ان کے تحفظات کو دور کرنے کے لیے آزادانہ طبی مباحثہ کا ماحول فراہم کیا جائے، بالخصوص جو طبی ماہرین اپنی پیشہ وارانہ مہارتوں کی بنیاد پر تحفظات رکھتے ہوں اُنہیں بطورِ خاص اہمیت کے ساتھ سنا جائے اور ان کے تحفظات کو دور کیا جائے اور تسلی وتشفی کے لیے پولیوقطروں کے لیبارٹری ٹیسٹ کی ضرورت محسوس ہو تو ایسا بھی کر لیا جائے۔

۳:...... مبینہ طور پر پولیومہم چونکہ کسی متوقع بیماری کی پیش بندی کی مہم ہے، کسی لاحق شدہ واقعی بیماری کا علاج نہیں ہے، اگر واقعی بیماری بھی ہو تو وہ ہر انسان کا ذاتی فریضہ یا صواب دیدی اختیار ہی شمار ہوتا ہے، اُسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا، اس لیے پولیوقطرے پلانے کے لیے کسی کو ہرگز مجبور نہ کیا جائے، بلکہ پولیوقطرے پلانے یا نہ پلانے کے عمل کو ضرورت مند خاندانوں کے صواب دیدی اختیار پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ موہوم بیماری کے علاج کے لیے شرعاً کسی کو مجبور اور پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

اُمید ہے کہ سرکار اگر ہماری ان بنیادی تجاویز پر غور کرے تو پولیوقطروں کے حوالے سے پائی جانے والی تشویش اور مخمصے کی کیفیت ختم ہوجائے گی، اور اس حوالے سے حکومتی کوششیں بارآور ثابت ہوں گی۔ ان شاء اللہ! فقط واللہ اعلم

کتبہ

رفیق احمد بالاکوٹی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۰؍رجب ۱۴۳۹ھ

دینِ اسلام کو ہدفِ تنقید بنانے کے
چند بنیادی اسباب وعلامات

مولانا محمد عمر انور
استاذِ جامعہ

مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دورہ حدیث کے طلبہ کے لیے تعلیمی سال کے اختتام پر دورہ تدریبیہ منعقد کیا جاتا ہے، جس میں مختلف علوم وفنون اور اہم موضوعات کے متعلق اساتذۂ کرام طلبہ کو اپنے علمی تجربات وفیوضات سے مستفید فرماتے ہیں۔ علم تجوید وقراءت کا موضوع حضرت مولانا ڈاکٹر قاری محمد ضیاء الحق صاحب مدظلہم کے سپرد ہے۔ اس سال شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ میں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے اپنے درس کے آخری دن طلبہ کو قیمتی نصائح وہدایات ارشاد فرمائیں، چونکہ دین کے ایک طالب علم کو عملی زندگی میں مختلف مواقع پر دینِ اسلام سے متعلق نت نئے تجدد پسندوں سے واسطہ پڑتا ہے، جن کا طریقۂ واردات مختلف روپ دھارے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک طالب علم کے لیے اس نام نہاد علمی حملہ کو فوری طور پر سمجھنا بسا اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔ علماء کرام نے ہر دور میں ان فتنوں کی نشان دہی کی خدمت انجام دی، اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتاب ''**الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة**'' (جدید شبہات کے متعلق مفید تنبیہات) مشہور ومعروف ہے، چنانچہ قاری صاحب مدظلہٗ نے بھی طلبہ کی سہولت اور آسانی کے لیے اپنے وسیع مطالعہ، تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں تجدد پسندوں کے چند وارداتی طریقے بھی فقط عنوان کے طور پر بیان فرما دیئے۔ اس تمہید کے ساتھ کہ زندگی میں کبھی کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو تو ان عنوانات کی روشنی میں دیکھ لینا۔ یہ عنوانات وضاحت اور تفصیل کے طالب تھے، ہر عنوان کی تفصیل میں مثالوں کے ساتھ بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ سرِدست راقم الحروف نے ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے کہ ان عنوانات کو قدرے شرح وتفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، تاکہ سب کے لیے استفادہ آسان ہو۔

دینِ اسلام کے متعلق منفی اور تنقیدی ذہنیت کی درج ذیل بارہ علامات ہیں:

۱-علومِ قرآن وسنت سے ناواقفیت:

قرآن وسنت کو صحیح طور پر جاننے، سمجھنے اور اس سے دین وشریعت کے مسائل استنباط کرنے کے لیے عربی زبان کے تقریباً اٹھارہ مختلف علوم میں مہارت اور دسترس حاصل کرنا ضروری ہے، ان میں سے چند علوم یہ ہیں: علمِ اصولِ دین، علمِ اسبابِ نزول، علمِ ناسخ ومنسوخ، علمِ قراءت، علمِ حدیث، علمِ اصولِ حدیث، علمِ فقہ، علمِ اصولِ فقہ، علمِ بلاغت (معانی، بیان، بدیع)، علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ لغت، علمِ اشتقاق، لیکن گمراہ عناصر ان تمام بنیادی اور اہم علوم سے ناواقف ہوتے ہیں، چند اردو کتابوں کے لقطات کو معلوماتِ عامہ کا ذخیرہ وافرہ سمجھ لینا اور قرآن وسنت کو تختۂ مشق بنانے کے لیے آمادۂ پیکار رہنا ضلالت کی کھلی مثال ہے۔ ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

۲-قرآن کریم کی متواتر قراءت کو فتنہ کہنا یا ان کا انکار کرنا:

واضح رہے کہ تلاوت کی سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد قراءتوں میں نازل فرمایا، البتہ قراءتوں کے اس اختلاف سے آیات کے مجموعی معنی میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، لیکن تلاوت اور ادائیگی کے طریقوں میں فرق ہو جاتا ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کے لیے تلاوت میں آسانی پیدا ہوگئی، اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور اس کے بعینہٖ محفوظ رہنے پر اس اختلافِ قراءت کا کوئی ادنیٰ اثر بھی مرتب نہیں ہوتا، لیکن بعض گمراہ عناصر متواتر قراءتوں کا بھی انکار کرتے ہیں، جبکہ اس بات پر تمام اہل علم متفق ہیں کہ قرآن کریم کی جتنی قراءتیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں، وہ سب صحیح ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت ان میں سے ہر ایک کے مطابق کی جاسکتی ہے، لیکن گمراہ عناصر ان متواتر قراءات کو عجمی فتنہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں۔

۳-سنت وحدیث:

سنت وحدیث میں غلط اور فاسد تاویلات کرکے ان کا انکار کرنا، یا سنت وحدیث کو عقل یا فطرت کے خلاف کہنا، یا سنت وحدیث کو تاریخ یا عرب سماج اور کلچر کے ساتھ خاص کرکے منکرینِ حدیث کو تقویت پہنچانا، یا احادیث کے مقابلے میں تاریخ کو زیادہ اہمیت وترجیح دینا، یا قرآن وسنت سے استدلال کرنے میں محض عربی ادب ولغت پر انحصار کرنا۔

۴-صحیح احادیث کا اپنی ذاتی رائے یا عقل کی وجہ سے انکار یا رد کرنا:

اسی ضمن میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ضعیف اور موضوع حدیث کے درمیان فرق وامتیاز نہ کرنا، یعنی ضعیف حدیث کو جھوٹی، من گھڑت اور موضوع روایت کا درجہ قرار دے دینا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''ضعیف''، علمِ اصولِ حدیث کی ایک اصطلاح ہے، اردو دان حضرات اسے لاغر وکمزور پر قیاس کرکے یہ

سمجھ بیٹھے ہیں کہ ''ضعیف'' سے مراد جھوٹی یا من گھڑت روایت ہے، حالانکہ یہ بات حقیقت کے بالکل خلاف اور فن اصولِ حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر ہے، کیونکہ جمہور علماء ومحدثین کے نزدیک ضعیف حدیث مطلوبہ شرائط کے ساتھ قابلِ حجت ہے۔ متابع، مُصاعد، فروعِ دین یا فضائلِ اعمال میں محدثین کے ہاں قابلِ عمل ہے، البتہ موضوع یعنی جھوٹی اور من گھڑت روایت کسی بھی حالت میں لائقِ عمل نہیں ہے، صحیح وضعیف کے اطلاق کرنے یا انکار کرنے میں اردو کے استعمال کا فرق ملحوظ رکھنا بھی بہت اہم ہے۔ اردو کے استعمال میں ہر اس بات کو جو اہل فہم وعقل کے نزدیک قابل اعتبار ہو، کسی اعتراض کے بغیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، خواہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق کسی ہلکے سے ہلکے معیار پر بھی اس کو صحیح نہ کہا جاسکے، اس کے مقابلہ میں صحیح نہ ہونے کا مطلب اردو میں یہ ہوتا ہے کہ وہ بات ناقابلِ اعتبار ہے، لیکن محدثین کی اصطلاح میں صحت کے لیے خاص خاص شرائط ہیں، اور پھر اس کے اندر بھی مختلف مراتب ہیں، اس کے بعد پھر حسن کا درجہ ہے اور اس کے بھی کئی مدارج ہیں، اس کے بعد پھر ضعیف کا درجہ ہے اور اس میں بھی مراتب کا یہی حال ہے، جن میں سے ضعیف حدیث کبھی کبھی مقبول بھی شمار ہوجاتی ہے، اس لحاظ سے محدثین کی اصطلاح کے مطابق کسی حدیث پر یہ حکم دیکھ کر کہ وہ صحیح نہیں ہے، اس کو مردود یا جھوٹا سمجھ لینا یہ بالکل غلط ہوگا۔ اس کے برخلاف اردو کے محاورہ میں اس کے صحیح نہ ہونے کا یہی مطلب سمجھا جائے گا کہ وہ ناقابل اعتبار، مردود اور جھوٹی ہے۔ محدثین کی اصطلاحات سے ناواقف لوگوں کو ہمیشہ یہاں یہ مغالطہ لگ سکتا ہے کہ یہ روایات سب بے سروپا اور لغو ہیں، بلکہ اسی مغالطہ میں بعض اچھے خاصے تعلیم یافتہ سمجھ دار لوگ بھی مبتلا ہوسکتے ہیں اور ان کو بھی اس نکتہ پر غفلت کا سامنا ہوسکتا ہے کہ محدث کے کسی حدیث کی صحت سے انکار کا مطلب وہ نہیں ہے جو اُردو محاورے میں کسی حدیث کی صحت کے انکار کا مطلب سمجھا جاتا ہے۔

اصولِ حدیث میں اس کی بھی تصریح ہے کہ کسی حدیث پر کسی محدث کے ضعف کا حکم لگادینے سے اس حدیث کا مطلقاً ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات وہ حکم صرف اس اسناد کے لحاظ سے ہوتا ہے جو اس وقت اس محدث کے سامنے ہوتی ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو ایک اسناد کے لحاظ سے ضعیف کہہ دیا جائے اور دوسری اسناد کے لحاظ سے وہ قوی ہو، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حدیثوں پر ضعیف کا حکم لگایا ہے، حالانکہ خارج میں وہ صحیح اسناد سے ثابت ہے، یہاں ایک ناواقف شخص تو حیرت میں پڑ جاتا ہے، مگر صاحبِ فن سمجھ لیتا ہے کہ امام موصوفؒ کا یہ حکم صرف اس خاص اسناد پر ہے۔

۵- اسلاف دشمنی:

یعنی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور متقدمین علماء اور ان کے فہم اسلام سے نہ صرف یہ کہ بدگمانی پیدا کرنا، بلکہ وقتاً فوقتاً ان عظیم ہستیوں پر اشاروں اور کنایوں میں لعن طعن اور ملامت کرتے رہنا۔

اس طرزِعمل میں پہلا قدم سلف صالحین سے بدگمانی اور اس کی انتہا سلف صالحین کے خلاف بدزبانی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو اسلام کے ساتھ مخلص نہیں سمجھا جاتا اور اپنے موجودہ حالات وواقعات کا ذمہ دار یا موردِ الزام ان بزرگ ہستیوں کو ٹھہرادیا جاتا ہے۔ یہ افسوس ناک رویہ درحقیقت اس حدیث کا مصداق ہے جو آپ ﷺ نے قربِ قیامت کی علامتوں میں ارشادفرمایا ہے: ’’**ولعن آخر هٰذه الأمة أولها**۔‘‘ یعنی’’اُمت کے بعد میں آنے والے لوگ گزشتہ لوگوں (اسلاف اور بزرگوں) پر لعن طعن کریں گے۔‘‘ ایک اور حدیث میں ایسے لوگوں کو ’’**رويبضة**‘‘ فرمایا گیا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ’’**رويبضة**‘‘ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ نااہل اور گھٹیا آدمی جو جمہور کے اہم معاملات میں رائے زنی کرے۔‘‘

۶-سلف صالحین کے بجائے اعداء اسلام اور مستشرقین کی ڈگر پر چلنا:

یعنی دین وشریعت کے ہر حکم کو تحقیق وریسرچ کے عنوان سے فقط اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر تولنا پرکھنا، یا اعتراض اور شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنا، قرآن وسنت اور سیرت رسول (ﷺ) کی روح مجروح کرنا، واضح صداقتوں کا انکار کرنا، غلط فہمیوں کو جگہ دینا، دین اسلام اور سیرت رسول کے بارے میں غلط تاثر پھیلانا، کسی بھی موضوع پر لکھنے سے قبل اس کے متعلق ازخود ایک موقف قائم کرکے پھر اس کے لیے کمزور سے کمزور روایات ڈھونڈنا اور ان سے غلط استدلال اور معنی اخذ کرنا، دسیسہ کاری اور افتراء پردازی سے کام لینا، تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف علمی نظریاتی پروپیگنڈہ کرنا۔

۷-شذوذ وتفرُّد:

دینِ اسلام یعنی قرآن وسنت کی تشریح وتعبیر میں جمہور علماء امت کے اجماع واتفاق کو رد کرکے اس کے مقابلہ میں انفرادی ترجیحات اور تفرد وشذوذ کو فکروعمل کی بنیاد بنانا، جبکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ’’**عليكم بالجماعة**۔‘‘ یعنی’’تم جماعت کو لازم پکڑو۔‘‘ اور ارشادِنبوی ہے: ’’**لا يجتمع أمتي على الضلالة**‘‘ یعنی’’میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔‘‘ اسی طرح ایک حدیثِ نبوی میں ارشاد ہے: ’’**اتبعوا السوادَ الأعظمَ من شَذَّ شُذ في النار**‘‘ یعنی’’بڑی اکثریت (اجتماعیت) کی پیروی کرو، جس نے (تنہا) الگ راہ اختیار کی وہ جہنم میں جاگرا۔‘‘ حضور اکرم ﷺ کے ان فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی سے حفاظت اجتماعیت میں ہے۔

۸-حدوث وابتداع:

جن اُمور کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآن مجید اور سنت رسول میں اس کا ثبوت نہ ملے، اور آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو،

نہ فعلاً، نہ صراحتاً اور نہ اشارۃً ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں بھی اس کا وجود نہ ہو، اور نہ ہی اس کی نظیر ان تینوں زمانوں میں پائی جائے، اور شریعت کے مآخذ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) سے بھی اس کا ثبوت نہ ملے اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے، خواہ اس کا موجد کوئی بھی کیوں نہ ہو، دوسرے الفاظ میں مقاصدِ شرعیہ کو بدل دینا، یعنی غیر مقصود کو مقصود بنالینا، یا مقصود کو غیر مقصود بنالینا، حدیث رسول (ﷺ) ہے: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد ۔'' یعنی ''جس شخص نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود (قابل رد) ہے۔'' گویا کہ دین کے نام پر بے دینی گھڑ کے اُسے عام کرنا ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکا ہے، اس پر تنبیہ کی ضرورت ہے۔

۹-''میں صحیح باقی سب غلط'':

سلف صالحین یعنی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور متقدمین جمہور علماء کے فہم اسلام کو یکسر غلط قرار دینا، گویا نزولِ اسلام اور اس کے بعد کے قریب ترین زمانے میں ان جیسے بلند پایہ لوگ دین کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے، اور ان کے مقابلہ میں اپنی خود ساختہ غلط رائے اور ناقص فہم کو صحیح اور برحق سمجھنا اور اُسے عین قرآن وحدیث باور کرانا، یعنی اپنی تحریفات، ناقص آراء اور خواہش پرستی کو قرآن وحدیث کا نام دینا، اس طرح اُمت کی اجتماعیت میں افتراق وانتشار، فرقہ واریت اور تفرقہ بازی پیدا کرنا۔ واضح رہے کہ دین میں بلاشبہ کتاب وسنت اصل ہیں، اس کا کوئی منکر نہیں، مگر اس کے باوجود ہم نہ صحابہ کرامؓ کو یکسر نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ تابعینؒ وتبع تابعینؒ کو، اور نہ ائمہ دین، فقہاء اسلام اور محدثین کو۔ کتاب وسنت کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لیے بہرحال ہمیں ان کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ دین اور فقہاء اسلام یعنی امت کے جمہور نے دین کو جس طرح سمجھا ہے اور اس کے بارے میں جو ان کی رہنمائی ہے وہی اصل دین ہے۔ اس کے برعکس جو مفہوم ومعنی ہم اپنی ناقص رائے سے متعین کریں گے وہ دین نہیں کہلائے گا، کیوں کہ جن واسطوں سے الفاظ ہم تک پہنچے ہیں اور ان کی حفاظت کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ان الفاظ کے معانی کے لیے بھی ان واسطوں پر اعتماد ضروری ہے۔ اسلاف سے ہٹ کر اگر ہم نے اپنی اپنی عقل سے دین کو سمجھنے کی کوشش کی تو دین ایک تماشا بن جائے گا۔

۱۰-فتنہ پردازی:

اصولِ دین یا اسلامی تحقیق کے اصول وضوابط کو جانے بغیر جدید تحقیق وریسرچ یا عصر حاضر کے تقاضوں کے نام پر وقتاً فوقتاً مختلف علمی، نظریاتی اور فکری فتنے پھیلاتے رہنا، جس میں عملی نتیجہ اور حاصل، بحث برائے بحث کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو، موجودہ زمانہ میں الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا اس

کی واضح مثال ہیں، اس فتنہ پردازی میں سب سے آسان اور مشہور طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ ’’**خَالِفُ تُعرف**‘‘ یعنی متفقہ اور مسلّمہ دینی معاملات یا اسلاف ومتقدمین کی مخالفت کرو اور مشہور ہوجاؤ۔

۱۱-حقائق کو مسخ کرنا:

محض عقلی، قیاسی اور اَٹکل پچو باتوں کی بنیاد پر حقائقِ واقعی کو مسخ کرکے اور بگاڑ کر پیش کرنا، اور غیر واقعی اُمور کو واقعی، اور واقعی اُمور کو غیر واقعی بنادینا، جس کے نتیجے میں دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ بناوٹ، تصنُّع اور خودساختہ پن کو ترویج اور فروغ ملتا ہے۔ اور ایسا عموماً دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

’’جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لیے عام ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں، حلال ہوں یا حرام ہوں اور جب یہ حالت ترقی کرجاتی ہے تو پھر اس کے حصول کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بے حیائی، بے رحمی ناانصافی سب آجاتی ہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت مسخ ہوجاتی ہے اور حقائق معکوس ہوجاتے ہیں، صحیح کو غلط سمجھنے لگتا ہے اور غلط کو صحیح، حق کو باطل اور باطل کو حق، حق تعالیٰ کا ارشاد صادق آجاتا ہے: ’’**فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ**۔‘‘ (الحج:۴۶) یعنی ’’سر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، دل کی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔‘‘ اس لیے حدیث نبوی میں یہ ارشاد ہے کہ: ’’**حب الدنيا رأس كل خطيئة**۔‘‘ (مشکوۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثالث، ص:۴۴۴، ط: قدیمی) یعنی ’’دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔‘‘ (بصائر وعبر، ج:۱، ص:۱۱۴، ط: مکتبہ بینات، کراچی)

۱۲-عجب، خودپسندی، تکبر اور تعلّی کا اظہار:

یعنی اپنی خودساختہ خیالی رائے کو حتمی اور قطعی انداز میں اس طرح بیان کرنا کہ گویا تمام دنیا میں حق اور سچ صرف اسی بات میں منحصر ہے جو میں نے سمجھا اور لکھا۔ اسی طرح اجماعِ امت کے مقابلہ میں اپنی باطل اور غلط رائے کو اونچا کرنا اور جمہور امت کی متفقہ بات کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنا، کسی بھی اجماعی اور متفقہ مسئلہ کی تردید کرتے ہوئے یوں کہنا کہ شروع سے لے کر آج تک، یا قرآن وسنت کے تفصیلی مطالعہ کے بعد، یا متقدمین سے لے کر متاخرین تک کسی کو بھی مطالعہ کرلیں، کسی کے ہاں بھی یہ بات نہیں ملے گی، گویا کہ چودہ سو سالوں میں جتنا بھی علمی وتحقیقی سرمایہ اُمت نے جمع کیا، وہ سب کا سب بیک جنبشِ قلم رد کردیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امت کو ان فتنوں اور فتنہ پردازوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ماہِ رمضان اور قرآن کریم
کے درمیان چند مشترک خصوصیات

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دارالعلوم دیوبند، مقیم: ریاض سعودی عرب

ماہِ رمضان کے روزے رکھنا ہر مسلمان، بالغ، عاقل، صحت مند، مقیم، مرد و عورت پر فرض ہے، جس کی ادائیگی کے ذریعہ خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور وہی تقویٰ کی بنیاد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔'' (البقرۃ:۱۸۳)

''لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ'' میں اشارہ ہے کہ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے روزہ کا بڑا اثر ہے۔ اسی ماہِ مبارک کی ایک بابرکت رات میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم سماء دنیا پر نازل ہوئی، جس سے استفادہ کی بنیادی شرط بھی تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن کریم میں ہے:

''یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے متقیوں یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے۔''

غرض رمضان اور روزہ کے بنیادی مقاصد میں تقویٰ مشترک ہے۔

قرآن اور رمضان کی پہلی اہم مشترک خصوصیت تقویٰ ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ذکر کیا گیا۔ دوسری مشترک خصوصیت شفاعت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''روزہ اور قرآن کریم دونوں بندہ کے لیے شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ عرض کرتا ہے کہ: یا اللہ! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا، میری شفاعت قبول کر لیجئے، اور قرآن کہتا ہے کہ: یا اللہ! میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا، میری شفاعت قبول کر لیجئے، پس دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔'' (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

تیسری خصوصیت جو رمضان اور قرآن دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے، وہ قربِ الٰہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے، ایسے ہی روزہ دار کو بھی اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے کہ روزہ کے متعلق حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''میں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں۔'' مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے قرآن و رمضان کی صرف تین مشترک خصوصیات کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں:

قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہری خصوصیت حاصل ہے، چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا دور کرانا، تراویح میں ختمِ قرآن کا اہتمام کرنا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کا رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا، یہ سب امور اس خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس ماہ میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔ ماہِ رمضان کا قرآن کریم سے خاص تعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کا ماہِ رمضان میں نازل ہونا ہے۔ اس مبارک ماہ کی ایک بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے سماء دنیا پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳؍ سال کے عرصہ میں قرآن مکمل نازل ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ تمام صحیفے بھی رمضان میں نازل ہوئے، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: صحفِ ابراہیمی اور تورات و انجیل سب کا نزول رمضان میں ہی ہوا ہے۔

سورۃ العلق کی ابتدائی چند آیات ''اِقْرَأْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ....'' سے قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد آنے والی سورۃ القدر میں بیان کیا کہ: قرآن کریم رمضان کی بابرکت رات میں اترا ہے، جیسا کہ سورۃ الدخان میں ہے: ''إِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ '' (الدخان:۳) یعنی ''ہم نے اس کتاب کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے۔'' اور سورۃ البقرہ ہے: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ '' (البقرۃ:۱۸۵) یعنی ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔'' ان آیات میں یہ مضمون صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ غرض قرآن و حدیث میں واضح دلائل ہونے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے سماء دنیا پر رمضان کی مبارک رات میں ہی نازل ہوا، اس طرح رمضان اور قرآن کریم کا خاص تعلق روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کا قرآن کریم کے ساتھ خاص تعلق کا مظہر نمازِ تراویح بھی ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے نازل شدہ

حصوں کا دور کرتے تھے۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا۔ (بخاری ومسلم) نمازِ تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع فرمائی اور مسجد میں باجماعت اس کو ادا بھی فرمایا، لیکن اس خیال سے اس کو ترک کردیا کہ کہیں اُمت پر واجب نہ ہوجائے اور پھر اُمت کے لیے اس کو ادا کرنے میں مشقت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نمازِ تراویح پڑھی، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہوگئے، تیسری یا چوتھی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ: میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کردی جائے۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ رمضان کی ترغیب تو دیتے تھے، لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ: جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداء عہدِ فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نمازِ تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی اور انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھی جاتی تھی۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی، اس تبدیلی کی وضاحت محدثین، فقہاء اور علماء کرام نے فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے پورے رمضان باجماعت نمازِ تراویح شروع ہوئی، نیز قرآن کریم ختم کرنے اور رمضان میں وتر باجماعت پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سعودی عرب کے نامور عالم، مسجدِ نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی شیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی: ۱۹۹۹) نے نمازِ تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک کتاب ''**التراويح أكثر من ألف عام في المسجد النبوي**'' تحریر کی ہے جو اس موضوع کے لیے بے حد مفید ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے۔ بعض اسلاف واکابرین کے متعلق کتابوں میں تحریر ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات چھوڑ کر صرف اور صرف تلاوتِ قرآن میں دن ورات کا وافر حصہ صرف

کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حدیث کی مشہور کتاب ''مؤطا مالک'' تحریر فرمائی ہے، جو مشہور فقیہ ہونے کے ساتھ ایک بڑے محدث بھی ہیں، لیکن رمضان شروع ہونے پر حدیث پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ کو بند کرکے دن ورات کا اکثر حصہ تلاوتِ قرآن میں لگاتے تھے۔ اسلاف سے منقول ہے کہ وہ ماہِ رمضان اور خاص کرآخری عشرہ میں تین دن یا ایک دن میں قرآن کریم مکمل فرماتے تھے۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں ختم قرآن کریم کے اتنے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اس مبارک مہینہ میں زیادہ سے زیادہ اپنا وقت قرآن کریم کی تلاوت میں لگائیں۔ نمازِ تراویح کے پڑھنے کا اہتمام کریں اور اگر تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کیا جائے تو بہت بہتر وافضل ہے، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے نازل شدہ حصوں کا دور کرتے تھے۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار قرآن کریم کا دور فرمایا۔ ماہِ رمضان کے بعد بھی تلاوتِ قرآن کا روزانہ اہتمام کریں، نیز علماء کرام کی سرپرستی میں قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم میں وارد احکام ومسائل کو سمجھ کر اُن پر عمل کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اگر ہم قرآن کریم کے معنی ومفہوم نہیں سمجھ پا رہے ہیں تب بھی ہمیں تلاوت کرنا چاہیے، کیونکہ قرآن کی تلاوت بھی مطلوب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جوشخص ایک حرف قرآن کریم کا پڑھے، اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الٓمٓ'' ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔ (ترمذی)

تلاوتِ قرآن کے کچھ آداب ہیں جن کا تلاوت کے وقت خاص خیال رکھا جائے، تاکہ ہم عنداللہ اجرعظیم کے مستحق بنیں۔ تلاوت چونکہ ایک عبادت ہے، لہٰذا ریا وشہرت کے بجائے اس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ومقصود ہو، نیز وضو وطہارت کی حالت میں ادب واحترام کے ساتھ اللہ کے کلام کی تلاوت کریں۔ تیسرا اہم ادب یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور اچھی آواز میں تجوید کے قواعد کے مطابق تلاوت کریں۔ تلاوتِ قرآن کے وقت اگر آیتوں کے معانی پر غور وفکر کرکے پڑھیں تو بہت ہی بہتر ہے۔ قرآن کریم کے احکام ومسائل پر خود بھی عمل کریں اور اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزہ اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے تقویٰ والی زندگی گزارنے والا بنائے اور ہمیں دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔ آمین

فضائلِ تہجد......قرآن وحدیث کی روشنی میں

مفتی محمد وقاص رفیع
جامع مسجد کلثوم، اسلام پور، واہ کینٹ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اِس دُنیا میں صرف اور صرف اپنی عبادت، اپنی معرفت اور اپنی پہچان کروانے کے لیے بھیجا ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی بندگی کرکے اُس کی ذات کو پہچان کر اور اُس کی معرفت حاصل کرکے اِس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے، اور پھر آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی عیش وعشرت اور راحت وآرام میں بسر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ نے اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی' معاشرت ومعیشت، غمی وخوشی، تنگ دستی وفراوانی اور اپنی حرکات وسکنات اور نشست وبرخاست کے ہر وقت اور ہر لمحہ میں اِس عظیم مقصد کو اپنے سامنے رکھا اور اس کے اختیار کرنے میں ہمیشہ وہ کوشاں رہے۔ وہ دُنیوی کاروبار، زراعت وتجارت، صنعت وحرفت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن اُن کے دِل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محبت والفت میں مست وسرشار رہتے اور کسی وقت بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

’’رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ ۔‘‘

’’(یہ وہ لوگ ہیں کہ) جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے، نہ نماز قائم کرنے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔‘‘ (النور:۳۷)

یہی وہ لوگ ہیں جو رات جیسے پُرسکون وقت میں بھی راحت وآرام کے بجائے اپنے محبوبِ حقیقی کے سامنے عبادت وبندگی کے لیے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اور نماز میں اُس کے سامنے راز ونیاز میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِنہی لوگوں کا قرآن مجید میں مختلف انداز میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

’’تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنَاھُمْ یُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ أَعْیُنٍ ۔‘‘ (الم السجدۃ:۱۶،۱۷)

’’اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈر اور اُمید (کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے وہ اُس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے ۔‘‘

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

’’کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ وَبِالْأَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۔‘‘ (الذاریات:۱۷،۱۸)

’’وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے ۔‘‘

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

’’وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّداً وَّقِیَاماً ۔‘‘ (الفرقان:۶۴)

’’ترجمہ:’’اور (رحمان کے بندے وہ ہیں) جو راتیں اِس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں اور (کبھی) قیام میں ۔‘‘

ایک جگہ ارشاد ہے:

’’أَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّیْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً یَّحْذَرُ الْأٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْ رَحْمَۃَ رَبِّہٖ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِیْ الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔‘‘ (الزمر:۹)

’’بھلا (کیا ایسا شخص اُس کے برابر ہوسکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار سے رحمت کا اُمیدوار ہے؟ کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟ ۔‘‘

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

’’وَمِنْ أٰنَاءِ اللَّیْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی ۔‘‘ (طہٰ:۱۳۰)

’’اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دِن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہوجاؤ ۔‘‘

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

’’إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَّأَقْوَمُ قِيْلاً ۔‘‘ (المزمل:۶)

’’بے شک رات کے وقت اُٹھنا ہی ایسا عمل ہے جو جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔‘‘

ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

’’إِنَّ رَبَّکَ يَعْلَمُ أَنَّکَ تَقُوْمُ أَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَکَ ۔‘‘ (المزمل:۲۰)

’’اے پیغمبر! تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دوتہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔‘‘

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

’’وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً ۔‘‘ (بنی اسرائیل:۷۹)

’’اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے، اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں ’’مقامِ محمود‘‘ تک پہنچائے گا۔‘‘

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی تہجد کی نماز پڑھنے کے بے شمار فضائل اور مختلف قسم کی ترغیبات وارد ہوئی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’’جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا، تاکہ دیکھوں (کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں یا نہیں؟) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھ کر کہا کہ: یہ چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا۔ وہاں پہنچ کر جو سب سے پہلا ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا، وہ یہ تھا کہ لوگو! آپس میں سلام کا رواج ڈالو اور (غرباء کو) کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں (تہجد کی) نماز پڑھا کرو، تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔‘‘ (قیام اللیل)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

جنت میں ایسے بالا خانے ہیں (جو آبگینوں کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) اُن کے

اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اچھی طرح سے بات کریں، اور (غرباء) کو کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزے رکھیں اور ایسے وقت میں رات کو تہجد پڑھیں، جب کہ لوگ سورہے ہوں۔'' (ترمذی، ابن ابی شیبہ)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''تم رات کے جاگنے کو لازم پکڑو، کیوں کہ یہ تم سے پہلے صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے اور حسد سے دُور کرنے والی چیز ہے۔'' (قیام اللیل)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''تین قسم کے آدمیوں سے حق تعالیٰ شانہٗ بہت خوش ہوتے ہیں: ایک اُس آدمی سے جو رات کو (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑا ہو، دوسرے اُس قوم سے جو نماز میں صف بندی کرے، اور تیسرے اُس قوم سے جو جہاد میں صف بنائے (تاکہ کفار سے مقابلہ کرے)۔'' (قیام اللیل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''رمضان کے روزے کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ محرم کا ہے۔ اور فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز رات (کے وقت تہجد) کی ہے۔'' (مسلم، مشکوٰۃ)

پرانے وقتوں میں نماز تہجد بڑی کثرت اور اہتمام کے ساتھ پڑھنے کا رواج تھا، گھر کے بڑے بوڑھے مختلف افراد، مرد وعورتیں رات کے پچھلے پہر بستر چھوڑتے، ٹھنڈے، گرم پانی سے وضو کرتے، پھر مرد حضرات مسجد کی طرف چل دیتے، اور خواتین گھروں میں مخصوص جگہوں پر تہجد کی نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتیں، اور یہ لوگ سپیدۂ سحر نمودار ہونے تک اسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کے ساتھ راز و نیاز میں ہمہ تن مصروف اور منہمک رہتے، لیکن آج بہت دُکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جب سے نت نئی ایجادات ٹی وی، وی سی آر، ڈش اور انٹرنیٹ بالخصوص فیس بک وغیرہ متعارف ہوئی ہیں، تب سے ہم مسلمانوں سے ہمارا یہ قومی اور دینی ورثہ مکمل طرح سے چھوٹ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بالخصوص رمضان المبارک میں تہجد کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما کر مستقل اس پر عمل پیرا فرمادے۔ آمین بجاه النبی الأمی الأمین ، صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ
فاضلِ جامعہ و چیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل

(نویں اور آخری قسط)

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ ائمہ فقہاء کی نظر میں

متذکرہ بالا مسالک میں سے آخری مسلک احناف نے اختیار کیا ہے۔ اور ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ سے اس قاعدے کے مطابق فقہی استنباطات کیے ہیں کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اصل ہے اور دیگر شرائع اس کے تابع ہیں۔ ہمارے اوپر ان شرائع کی پیروی اس حیثیت سے لازم ہے کہ وہ ہمارے نبی کی شریعت ہے، الا یہ کہ ان شرائع کا نسخ صراحتاً ثابت ہو۔ امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’وقد احتج محمد - رحمه الله - في تصحيح المهايأة والقسمة بقول الله تعالى: ’’وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ.‘‘ (القمر:۲۸) وقال: ’’لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ‘‘ (الشعراء:۱۵۵) فاحتج بهٰذا النص لإثبات الحكم به في غير المنصوص عليه بما هو نظيرهٗ فثبت أن المذهب هو القول الذي اخترناه.‘‘(۱)

’’امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بطریقِ مہایاۃ (منافع کی تقسیم) اور حقِ آب پاشی کی تقسیم پر حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ میں مذکور حکم ’’وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ‘‘ اور ’’لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُوْمٍ‘‘ سے استدلال کیا ہے۔ اس سے استدلال کیا، تاکہ اس کے ذریعے غیر منصوص علیہ میں وہ حکم ثابت ہو جو اس کی نظیر ہے، پس ثابت ہوا کہ مذہب (حنفی) وہی قول ہے، جس کو ہم نے اختیار کیا۔‘‘

صاحب کشف الأسرار لکھتے ہیں کہ:

’’یہ بات معلوم ہے کہ یہ استدلال اس نظریئے کی بنیاد پر کیا ہے کہ مذکورہ حکم شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کا ایک حکم ہے، اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے احکام

بیان کررہے ہیں، نہ کہ ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کے احکام۔‘‘(۲)

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ محدثین کی نظر میں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ سے استدلال کیا ہے، چنانچہ: ’’بَابٌ: بِمَنْ يُبْدَأُ فِي الْكِتَابِ‘‘ کے تحت حسب ذیل حدیث کونقل کیا ہے:

’’عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه، عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أنهٗ ذكر رجلا من بنی إسرائيل، أخذ خشبة فنقرها، فأدخل فيها ألف دينار، وصحيفة منه إلٰی صاحبه، وقال عمر بن أبی سلمة، عن أبيه، سمع أبا هريرة رضی اللّٰه عنه: قال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: ’’نجر خشبة، فجعل المال فی جوفها، وكتب إليه صحيفة: من فلان إلی فلان.‘‘(۳)

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا تذکرہ فرمایا کہ: اس نے ایک لکڑی لی، اندر سے کھوکھلی کردی، اس میں ایک ہزار دینار اور اپنے دوست کے نام ایک مراسلہ رکھا۔ دوسری سند والی روایت میں یہ ہے کہ مراسلہ یوں لکھا: من فلان إلی فلان.‘‘

قسطلانیؒ لکھتے ہیں:

’’ولعل البخاری خصّ سياقَ هٰذا الحديث لعدم وجدانه ما هو علی شرطه وهو علی قاعدته فی الاحتجاج بشرع من قبلنا إذ لم ينكر ولا سيما إذا ذكر فی مقام المدح لفاعله.‘‘(۴)

’’شاید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو یہاں اس لیے ذکر کیا کہ ان کو دوسری کوئی حدیث اپنی شرط کے مطابق نہیں ملی اور یہ استدلال اس قاعدے پر مبنی ہے کہ ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ سے استدلال کیا جاسکتا ہے، جب اس کو علیٰ سبیل الانکار ذکر نہ کیا جائے، بالخصوص جب اس فعل کے کرنے والے کی مدح کے طور پر ذکر کیا جائے۔‘‘

امام محمد وامام بخاری رحمہما اللہ کے اس اسلوبِ استدلال سے معلوم ہوا کہ ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ جب قرآن وحدیث میں بغیر کسی نکیر یا تردید کے مذکور ہوں تو ہمارے لیے اس حیثیت سے حجت ودلیل ہیں کہ وہ ہماری شریعت یعنی شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے۔

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کے متعلق غیر نزاعی متفقہ امور

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کے حوالے سے حسب ذیل امور فقہاء اور اصولیین کے درمیان متفق علیہا ہیں:

۱:......اگر شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کوئی حکم شرائع سابقہ کے کسی حکم کے لیے ناسخ بن کر آئے، تو

بالاتفاق شرائع سابقہ کا حکم منسوخ ہوگا۔

۲:...... اگر شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کوئی نص یا حکم شرائع سابقہ کے کسی حکم کی تائید کرے، تو شرائع سابقہ کا وہ حکم برقرار رہے گا، تاہم شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت سے، نہ کہ ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کی حیثیت سے۔

۳:...... اس وقت موجود کتابِ مقدس میں مذکور کسی حکم کو اگر کتاب اللہ اور سنت رسول میں ذکر نہ کیا گیا ہو، تو وہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حکم نہیں ہوگا، اس لیے کہ قرآن مجید کے مطابق ان کی کتابوں میں تحریف ہوچکی ہے۔

۴:...... تمام شرائع کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، گویا ''توحید'' پر سب کا اتفاق ہے۔

۵:...... محلِ اختلاف یہ ہے کہ شرائع سابقہ کا کوئی حکم کتاب اللہ میں مذکور ہو، یا پیغمبر علیہ السلام نے اس کو بیان کیا ہو، لیکن اس کی مشروعیت اور عدم مشروعیت کے بارے میں سکوت ہو، نہ تو صراحۃً یا اشارۃً اس کو برقرار رکھنے کا ذکر ہو، اور نہ صراحۃً یا اشارۃً اس کے منسوخ ہونے کا ذکر ہو۔ اس صورت کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، جن میں دو اقوال اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا قول: وہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔ دوسرا قول: شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حصہ نہیں ہے۔ پہلا قول جمہور حنفیہ، مالکیہ، اور بعض شافعیہ کا مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ دوسرا قول بعض شافعیہ کا مذہب ہے، جس کو امام الحرمین ابواسحاقؒ، غزالیؒ اور آمدیؒ نے ترجیح دی ہے، اسی طرح بعض حنفیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، ابن حزمؒ کا بھی قول ہے، اور معتزلہ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے۔

بعض حضرات نے ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے متعلق یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' ہمارے لیے بہرحال دلیل مستقل نہیں ہے، ہم نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس کو دیکھنا ہے۔

''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے بارے میں اختلاف نزاعِ لفظی

امام ابوزہرہؒ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اس اختلاف پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، اس لیے کہ شرائع سابقہ کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کی موافقت یا مخالفت میں شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صراحۃً یا اشارۃً وکنایۃً کوئی حکم مذکور نہ ہو۔ امام ابوزہرہؒ کی تحقیق کے مطابق مختلف ابواب میں پھیلے ہوئے تقریباً مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: یہ ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے قبیل میں سے ہیں، اور شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ان میں سے ہر ایک مسئلے کی موافقت یا مخالفت میں اجمالی یا تفصیلی دلیل موجود ہے، جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے بارے میں اختلاف نزاعِ لفظی کے قبیل میں سے ہے، جس پر عملاً کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کی عدالت میں غیرمسلموں کے مقدمات

اس موضوع سے متعلق یہ بحث ہے کہ اگر اسلامی ریاست میں غیرمسلم لوگ اپنا کوئی مقدمہ عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں، تو کیا مسلمان حاکم یا قاضی ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا پابند ہے؟ یا فیصلہ کیے بغیر ان کو واپس کرنے کا اختیار رکھتا ہے؟ مزید برآں! گزشتہ شرائع کے پیروکاروں پر کونسے احکام جاری ہوں گے؟ اسلامی احکام؟ یا پھر ان کی اپنی شریعتوں کے احکام؟!

متعلقہ آیتِ کریمہ اور اس کا شانِ نزول

متذکرہ بالا مضمون سورۂ مائدہ کی حسب ذیل آیات (۴۱ تا ۴۴ اور آیت نمبر: ۴۸) میں بیان ہوا ہے:

''یٰـأَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ.....تا.....وَأَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ أَھْوَاءَھُمْ .'' (المائدۃ:۴۱تا۴۹)

ان آیات کا شانِ نزول بغویؒ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے، زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا ''رجم'' (سنگسار کرنا) تھی، مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو ''یثرب'' میں ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کتاب میں ''زانی'' کے لیے ''رجم'' کا حکم نہیں، کوڑے مارنے کا ہے تو ''بنی قریظہ'' کے یہود میں سے کچھ آدمی ان کے پاس بھیجو، کیونکہ وہ ان کے ہمسایہ ہیں اور ان سے صلح کا معاہدہ بھی کرچکے ہیں، وہ ان کا خیال معلوم کرلیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لیے روانہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کرلے کہ ''زانی محض'' کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں؟ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو قبول کرلو، اور ''رجم'' کا حکم دیں تو مت مانو۔ ان کے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میرے فیصلہ پر رضامند ہوگے؟ انہوں نے اقرار کرلیا۔ خدا کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام ''رجم'' کا حکم لے آئے، مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے؟ سب نے کہا: آج روئے زمین پر ''شرائع موسویہ'' کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ: ''تورات'' میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کررہے تھے جس کا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے فاش ہوچکا تھا، تاہم ابن صوریا نے جو ان کا معتمد تھا، کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کرلیا کہ بے شک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدۂ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اُڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے

جائیں اور منہ کالا کر کے اور گدھے پر اُلٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد وعورت پر رجم کی سزا جاری کی اور عرض کیا: اے اللہ! آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا، اس کے بعد کہ وہ اسے مردہ کر چکے تھے۔ (۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

''عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما، قال: أتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بیہودی ویہودیۃ قد أحدثا جمیعا، فقال لہم: ''ما تجدون فی کتابکم؟'' قالوا: إن أحبارنا أحدثوا تحمیمَ الوجہ والتجبیۃ. قال عبد اللّٰہ بن سلام: ادعہم یا رسول اللّٰہ بالتوراۃ، فأتی بہا فوضع أحدہم یدہ علی آیۃ الرجم وجعل یقرأ ما قبلہا وما بعدہا، فقال لہ ابن سلام: ارفع یدک، فإذا آیۃ الرجم تحت یدہ، فأمر بہما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرُجِما: قال ابن عمرؓ: فرجما عند البلاط، فرأیت الیہودیَ أجنأ علیہا.'' (۶)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت لائے گئے، جنہوں نے بدکاری کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تمہاری کتاب (تورات) میں کیا حکم ہے؟ کہنے لگے: ہمارے علماء نے یہ حکم ایجاد کیا ہے کہ چہروں کو کالا کر دیا جائے اور گدھے پر اُلٹا بٹھایا جائے۔ عبد اللہؓ بن سلام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان سے تورات لانے کا کہہ دیں، چنانچہ تورات لائی گئی، ان میں ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر چھپایا اور اس سے پہلے اور بعد والی آیتوں کو پڑھنے لگا۔ ابن سلام نے کہا: ہاتھ اُٹھا دیں، چنانچہ اس کے ہاتھ کے نیچے والی جگہ میں آیتِ رجم موجود تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے رجم کا فیصلہ جاری فرمایا اور ان کو رجم کیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بلاط نامی جگہ میں ان کو رجم کیا گیا، میں نے اس یہودی مرد کو اس عورت پر جھکتے ہوئے دیکھا۔''

اس حدیث شریف میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ اس یہودی مرد اور یہودیہ عورت کو رجم کیا گیا، لیکن یہ بات محتاجِ بیان ہے کہ ان کو اسلامی احکام کے تابع رجم کیا گیا؟ یا تورات کے حکم رجم کے تابع؟ بہرحال! اس تناظر میں سورۂ مائدہ کی محولہ بالا آیاتِ کریمہ نازل ہوگئیں۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر کے بارے میں تین موقف

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی حدیث کی شرح میں اس مسئلے میں تین موقف ذکر کیے ہیں، فرماتے ہیں:

''واختلف العلماء فی الحکم بینہم إذا ترافعوا إلینا أ واجب ذلک علینا أم

نحن فیه مخیرون؟. ‘‘

’’یہودیوں کے مابین فیصلہ کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جب وہ ہم مسلمانوں کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئیں تو کیا ہمارے اوپر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب اور ضروری ہے؟ یا ہمیں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے؟۔‘‘

پہلا موقف: فقہاء حجاز وعراق کا: ’’حاکم کو اختیار ہے‘‘

’’فقال جماعة من فقهاء الحجاز والعراق: إن الإمام أو الحاكم مخير إن شاء حكم بينهم إذا تحاكموا بحكم الإسلام، وإن شاء أعرض عنهم. وقالوا: إن قولهٗ تعالٰی: ’’فإن جاءُوکَ ‘‘محكمة لم ينسخها شیء، وممن قال بذٰلک: مالک والشافعی فی أحد قوليه، وهو قول عطاء والشعبی والنخعی، وروی ذلک عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما، فی قوله: ’’فإن جاءُوکَ‘‘ قال: نزلت فی بنی قريظة وهی محكمة. وقال عامر والنخعی: إن شاء حكم وإن شاء لم يحكم. ‘‘(۷)

’’حجاز اور عراق کے فقہاء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جب وہ (غیر مسلم) اسلامی حکم کے مطابق فیصلہ کرانا چاہیں تو مسلمان قاضی یا حاکم کو اختیار ہے، چاہے تو فیصلہ کردے اور چاہے تو فیصلہ نہ کرے۔ ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ سورۂ مائدۃ کی آیت نمبر:۴۲ ’’فَإِنْ جَاءُوکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ ‘‘ محکم ہے، منسوخ نہیں، یعنی یہی حکم اب تک برقرار ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ایک قول یہی ہے، اور صحابہؓ، تابعینؒ، مفسرینؒ کا بھی یہی قول ہے۔‘‘

دوسرا موقف: ابن القاسم کا: ’’فریقین اور مذہبی پیشواؤں کی رضامندی سے فیصلہ کرے‘‘

’’وعن ابن القاسم: إذا تحاكم أهل الذمة إلٰی حاكم المسلمين ورضی الخصمان به جميعًا فلا يحكم بينهما إلا برضا من أساقفتهما، فإن كره ذٰلک أساقفتهم فلا يحكم بينهم، وكذٰلک إن رضی الأساقفة ولم يرض الخصمان أو أحدهما لم يحكم بينهم. وقال الزهریؒ: مضت السنة أن يرد أهل الذمة فی حقوقهم ومعاملاتهم ومواريثهم إلٰی أهل دينهم، إلا أن يأتوا راغبين فی حكمنا فيحكم بينهم بكتاب اللّٰه عز وجل. ‘‘(۸)

’’ابن القاسم سے روایت ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں فریق اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کرنے پر رضامند ہوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کو بھی اس پر اعتراض نہ ہو تو مسلمان قاضی یا حکم ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اگر فریقین رضامند ہوں، لیکن ان کے مذہبی پیشوا رضامند نہ ہوں یا اس کے برعکس مذہبی پیشوا رضامند ہوں اور فریقین رضامند نہ ہوں یا پھر دونوں رضامند نہ ہوں تو ان تمام صورتوں میں مسلمان قاضی ان کے درمیان

اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا۔ اس قول کی تائید امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ سنت یہی چلی آرہی ہے کہ (ذمیوں [غیر مسلموں]) کو ان کے حقوق، معاملات اور میراث کے مقدمات واحکام میں ان کے مذہبی پیشواؤں کی طرف فیصلے لینے کے لیے بھیج دیا جائے، الا یہ کہ اگر وہ برضا ورغبت خوشی سے اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کرانا چاہیں تو مسلمان قاضی اور حاکم ان کے درمیان قرآنی احکام کے مطابق فیصلہ کرے۔''

تیسرا موقف: احناف کا ''مطلقاً فیصلہ کرنا لازم ہے''

''وقال آخرون: واجب على الحاكم أن يحكم بينهم إذا تحاكموا إليه بحكم اللّٰه تعالٰى، وزعموا أن قولهٗ تعالٰى: (وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى) ناسخ للتخيير في الحكم بينهم في الآية التي قبل هٰذه، وروى ذلك عن ابن عباسؓ، وبه قال الزهري وعمر بن عبد العزيز والسدي، وإليه ذهب أبو حنيفة وأصحابه، وهو أحد قولي الشافعي، إلا أن أبا حنيفة قال: إذا جاء ت المرأة والزوج فعليه أن يحكم بينهما بالعدل، وإن جاء ت المرأة وحدها ولم يرض الزوج لم يحكم، وقال صاحباه: يحكم، وكذا اختلف أصحاب مالك.''(۹)

''دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ بلا کسی شرط اور قید کے مطلقاً جب غیر مسلم مسلمان قاضی اور حاکم کے پاس مقدمہ لے کر آئیں، تو اس پر لازم ہے کہ ان کے درمیان قرآنی احکام کے مطابق فیصلہ کردے، ان کو واپس نہ کرے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سورۂ مائدۃ کی آیت نمبر: ۴۹ ''وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ'' پہلی والی آیت: ۴۲ میں دیے گئے اختیار کے لیے ناسخ ہے۔ یعنی مسلمان حاکم اور قاضی کو اختیار نہیں کہ وہ فیصلہ کرے یا نہ کرے، بلکہ وہ فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔ ابن عباسؓ، امام زہریؒ، امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی دوسرا قول یہی ہے، تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ غیر مسلم میاں بیوی کے درمیان کوئی مقدمہ ہے، تو اگر دونوں اسلامی فیصلے کرانے پر رضامند ہیں تو فبہا، ورنہ اگر صرف بیوی اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ چاہتی ہے اور شوہر نہیں چاہتا تو مسلمان قاضی وحاکم اس صورت میں فیصلہ نہیں کرے گا۔ جبکہ صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ شوہر کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔ امام مالکؒ کے شاگردوں میں اسی طرح اختلاف ہے۔''

یہ تفصیل مالی معاملات اور حقوق ومواریث سے متعلق مقدمات کی ہے۔ حدود کے بارے میں لکھتے ہیں:

''واختلف الفقهاء أيضا في اليهوديين من أهل الذمة إذا زنيا: هل يُرجمان إن رفعهم حكامُهم إلينا أم لا؟ فقال مالك: إذا زنى أهل الذمة وشربوا الخمر

فلایتعرض لهم الإمام إلا أن يظهروا ذلک فی ديار المسلمين فيدخلون عليهم الضرر فيمنعهم السلطان من الضرر بالمسلمين قال مالکؒ: وإنما رجم رسولُ اللّٰه صلی الله عليه وسلم، اليهودين لأنه لم يكن لليهود يومئذ ذمة، وتحاكموا إليه. وقال أبو حنيفة وأصحابه: يُحَدَّانِ إذا زنيا كحد المسلمين، وهو أحد قولی الشافعی.‘‘(۱۰)

’’اگر زنا کاری اور شراب نوشی سے متعلق مقدمات ہوں تو احناف کے ہاں یہ بھی مالی مقدمات کی طرح ہیں۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم دوسرا ہے۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: اس کا حکم دوسرا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر ذمی یہودی بدکاری اور شراب نوشی کا ارتکاب کریں، تو مسلمان حاکم ان سے کوئی تعرض نہ کرے۔ تاہم اگر بدکاری وشراب نوشی کا ارتکاب مسلمان بستیوں اور آبادیوں میں ہو، جس کے نتیجے میں مسلمان معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہوسکتا ہو، یا اس کی وجہ سے کسی بھی قسم کا نقصان ہوسکتا ہو، تو مسلمان حاکم اس نقصان یا بے راہ روی کا سد باب کرے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو یہودیوں کو رجم کیا تھا، امام مالکؒ اس کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ وہ یہودی ذمی نہیں تھے اور خود ہی اپنا مقدمہ دربارِ رسالت میں لے کر آئے تھے، اس لیے ان کا حکم مختلف تھا۔ امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر مسلم ذمی بدکاری کریں گے تو مسلمانوں کی طرح ان پر حد جاری ہوگی۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔‘‘

حاصل یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک مسلمان قاضی وحاکم اس بات کا پابند ہے کہ جب غیر مسلم ذمی اپنا کوئی مقدمہ، خواہ مالی حقوق سے متعلق ہو یا زنا وشراب نوشی جیسے جرائم سے متعلق ہو، ان کے پاس لے کر آئیں تو ان کے درمیان اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کرے، فیصلہ نہ کرنے کا اس کو اختیار نہیں، جبکہ دیگر ائمہ بالخصوص امام مالکؒ کے ہاں پابندی نہیں۔

خلاصۂ بحث!

پوری بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات ہیں:

الف:...... آخری شریعت، یعنی شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے والی آسمانی شریعتیں ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کہلاتی ہیں۔

ب:...... دین، ملت، شریعت اور مذہب لغوی مفہوم کے اعتبار سے چار مختلف اصطلاحات ہیں، لیکن خارجی مصداق کے اعتبار سے متحد ہیں، یعنی آسمانی تعلیمات پر مشتمل عقائد واعمال کا مجموعہ مختلف حیثیتوں سے دین، ملت، شریعت اور مذہب کہلاتا ہے۔

ج: ...... چاروں اصطلاحات میں فرق اعتباری یا تو معنی لغوی کی حیثیت سے ہے، یعنی باعتبارِ اطاعت وانقیاد ''دین''۔ باعتبارِ جمعہ وبیان ''ملت''۔ باعتبارِ تشبیہ بالماء ''شریعت'' اور باعتبارِ رجوع الیہ ''مذہب'' کہلاتا ہے۔

یا پھر عقائد کا پہلو مدنظر ہو تو ''دین''۔ اصول وقواعد کلیہ کا پہلو مدنظر ہو تو ''ملت''۔ اعمال اور فروعاتِ منصوصہ کا پہلو مدنظر ہو تو ''شریعت''۔ اور فروعات مجتہد فیہا کا پہلو مدنظر ہو تو ''مذہب'' کہلاتا ہے۔

د: ...... آسمانی شرائع میں باہم اتفاق بھی ممکن ہے اور اختلاف بھی، نیز انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی شریعتوں کے درمیان اتفاق واقع بھی ہوا ہے۔

ھ: ...... آخری پیغمبر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے قبل از بعثت کے مرحلے کے بارے میں تین اقوال ہیں کہ:۱:- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی شریعتوں کی پیروی کے پابند تھے۔۲:- پیروی کے پابند نہیں تھے۔۳: ...... توقف اختیار کیا جائے۔

و: ...... زندگی کے بعد از بعثت مرحلہ میں ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کی پیروی از روئے عقل ونقل جائز ہے، تاہم وقوع میں علماء کے چار اقوال ہیں:

۱: ...... پہلا قول ہے کہ: ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے تمام احکام کی اتباع ہمارے اوپر واجب ہے، جب تک ناسخ نہ آئے، یعنی شرائع میں اصل استمرار وبقاء ہے۔

اس موقف کی صحت پر ان متعدد آیات واحادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلے انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حکم شرعی میں سابقہ شرائع کا حوالہ دیا ہے۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ عقائد میں اقتداء کا حکم ہے، ورنہ نصوص میں تعارض ہوگا۔ نیز مشترک احکام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر منسوخ احکام پر اپنی شریعت کی حیثیت سے عمل کیا ہے، سابقہ شریعت کے حکم کی حیثیت سے نہیں۔

۲: ...... دوسرا قول پہلے کے بالکل برعکس یہ ہے کہ ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے کسی بھی حکم کی اتباع ہمارے اوپر واجب نہیں، اِلا یہ کہ عمل کرنے کا حکم دلیل سے ثابت ہو جائے، یعنی ہر آسمانی شریعت پہلے نبی کی وفات یا دوسرے نبی کی بعثت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

استدلال ان نصوصِ قرآنیہ واحادیث پر مبنی ہے، جن میں اختصاصی شریعت کی بات کی گئی ہے، یا مخصوص علاقے اور قوم کی طرف انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی صراحت کر دی گئی ہے۔

۳: ...... تیسرا قول یہ ہے کہ شرائع سابقہ میں سے غیر ثابت النسخ تمام احکام پر مطلقاً عمل کرنا لازم ہے، لیکن شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے احکام کی حیثیت سے۔

مطلقاً عمل کرنا لازم ہے، خواہ اس حکم کا شرائع سابقہ میں سے ہونا اہل کتاب نے نقل کیا ہو، یا کسی مسلمان نے ان کی کتابوں سے سمجھا ہو۔ اس لیے یہ قول معتبر نہیں کہ کتب سابقہ کا محرف ہونا نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اور احادیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ اہل کتاب سے دین کی باتیں نہ پوچھی جائیں اور ان کی باتوں کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب۔

۴:...... چوتھا قول یہ ہے کہ شرائع سابقہ پر ثبوتِ شرعی کی بنیاد اپنے نبی کی شریعت کی حیثیت سے اتباع لازم ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے اس مسلک پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہی احناف کا اختیار کردہ مسلک ہے۔ فقہاء اور محدثین نے اس مسلک کے مطابق استنباطات کیے ہیں۔

ز:...... ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے متعلق یہ اختلاف نزاعِ لفظی کے قبیل سے ہے، عملی لحاظ سے اس پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

ح:...... مسلمانوں کی عدالت میں اگر غیر مسلم اپنے مقدماتِ مالیہ لے کر آئیں تو سورۂ مائدہ کی آیات ۴۱-تا-۴۴ اور آیت نمبر: ۴۸ سے استدلال کی روشنی میں فقہاء حجاز کے نزدیک مسلمان قاضی کو اختیار ہے کہ وہ فیصلہ کرے یا نہ کرے۔

ابن القاسمؒ کے نزدیک فریقین اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی رضامندی سے فیصلہ کرے۔

احناف کے نزدیک قاضی پر مطلقاً فیصلہ کرنا لازم ہے۔

اور حدود (زنا وشراب) کے مقدمات میں امام مالکؒ کے نزدیک اس وقت فیصلہ کرے جب مسلمان معاشرہ کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو۔ احناف کے نزدیک مالی معاملات کی طرح حدود میں بھی مسلمان قاضی فیصلہ کرے۔

حوالہ جات

۱:...... اصول البزدوی علی حاشیۃ کشف الاسرار، ج:۳، ص:۲۱۶۔
۲:...... حوالہ سابقہ
۳:...... صحیح البخاری، بَابٌ: بِمَنْ یُبْدَأُ فِی الْکِتَابِ، رقم: ۶۲۶۱
۴:...... إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج:۹، ص:۱۹۲
۵:...... تفسیر عثمانی، المائدہ آیت نمبر: ۴۱، حاشیہ نمبر: ۸۔
۶:...... صحیح البخاری، بابُ الرَّجْمِ فِی الْبَلَاطِ، رقم: ۹۱۸۶۔
۷:...... عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج:۲۳، ص:۲۹۵
۸:...... حوالہ مذکورہ، ج:۲۳، ص:۲۹۵
۹:...... حوالہ مذکورہ، ج:۲۳، ص:۲۹۵
۱۰:...... حوالہ مذکورہ، ج:۲۳، ص:۲۹۵

(انتہیٰ)

جانشینِ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی
باحث اول، قسم التدقیق علی المصاحف والمطبوعات، ادارۃ البحوث، دبئی

جس کا دھڑکا تھا، آخر وہ گھڑی آہی گئی، دوتین روز زندگی اور موت کی کشمکش میں گزار کے ۲۶؍رجب المرجب کی دوپہر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اپنے مالک حقیقی سے جاملے اور برصغیر میں علمی روایت کے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء کو دیوبند میں ہوئی تھی۔ اس طرح آپ نے ۹۵ سال اس دارِفانی میں گزارے۔ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (متوفی: ۱۹۳۳ء) نے آپ کی بسم اللہ خوانی کرائی تھی۔ علاوہ ازیں آمد نامہ جیسی ابتدائی فارسی کتاب کے چند اسباق بھی آپ کو پڑھائے تھے۔ (اس کا تذکرہ مولانا اور آپ کے رفیق مولانا انظر شاہ کشمیری مرحوم بھی کیا کرتے تھے)۔ البتہ آپ کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز پیرجی شریف گنگوہیؒ سے ہوا تھا۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والا طبقہ آپ پر اختتام پذیر ہوا۔

آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۶۲ھ میں میزان کے اسباق پڑھے تھے، اب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ سبق لینے والا اس دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا، اس طرح آپ حضرت حکیم الامتؒ کے آخری شاگرد ثابت ہوئے۔ حضرت تھانویؒ کو دیکھنے والوں میں اب شاید صرف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم بقید حیات ہیں۔ اللہ آپ کا سایہ تادیر اُمت پر باقی رکھے۔

دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء کو ہوئی، یہاں آپ کو علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، شیخ التفسیر مولانا فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ جیسے اساطینِ علم کی شاگردی

حاصل ہوئی۔ اس دوران مختلف اوقات میں مولانا سید اسعد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد سلیم اللہ خانؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ، اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن نعمانیؒ جیسے ملتِ اسلامیہ کے آسمان کے چاند اور تارے آپ کے شریکِ درس رہے۔

مولانا کی شہرت حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندار جمند کی حیثیت سے رہی۔ دنیا نے آپ ہی کو حضرت حکیم الاسلامؒ کا جانشین مانا۔ یہ بات دنیا جانتی ہے کہ حضرت حکیم الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے، اور آپ کے علم وحکمت کے امین تھے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اساطینِ علم سے کسبِ فیض کیا تھا۔ آپ نے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں نائب مہتمم کی حیثیت سے ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۸ھ تک آٹھ سال خدمات انجام دیں، اور آپ کی رحلت کے بعد ﴿۵۳﴾ سال تک مسلسل دارالعلوم کے اہتمام پر فائز رہے۔ آپ کے دورِ اہتمام میں آپ کے اساتذہ کرام کی ایک بڑی تعداد دارالعلوم میں منصبِ تدریس وتربیت پر پائی جاتی تھی۔ یہ دارالعلوم کا زریں دور شمار ہوتا ہے، اس دور میں دارالعلوم نے عالمی شہرت پائی، اور یہ ادارہ از ہرِ ہند کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ اس شہرت میں جہاں اس ادارے سے وابستہ اور تدریسی خدمات پر فائز اکابرین کی قربانیاں شامل ہیں، وہیں عامۃ الناس میں اسے مقبول بنانے اور اس کی دعوت وفکر کو عام کرنے میں آپ کے اسفار اور خطبات نے سب سے اہم کردار ادا کیا ہے، لہٰذا بانی دارالعلوم کے بعد آپ کو معمارِ ثانی کہا گیا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ اپنے دور کے عظیم ترین خطیب شمار ہوتے تھے، ہما شما کا کیا ذکر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ جیسے علم وادب کے مینار نے آپ کو اپنے دور کا سب سے بڑا خطیب قرار دیا تھا۔ قاری صاحب کی خطابت دھیمی آنچ کی طرح تھی، اس میں اُتار چڑھاؤ کم ہی ہوتے تھے، ایک بہتا دریا تھا جو بغیر روک ٹوک آگے ہی بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس میں نہ چیخ اور دھاڑ ہوتی تھی، نہ راگوں کا الاپ، لیکن زبان تھی کہ رکتی نہیں تھی، الفاظ ایسے نکلتے جیسے پھول جھڑ رہے ہوں۔ تین چار گھنٹے کے خطاب میں جملوں کی تکرار شاذ ونادر ہی ہوتی۔ تشریح ایسی کرتے کہ عوام کے سامنے مشکل سے مشکل مسائل پانی ہو جاتے۔

ایک زمانہ تھا کہ عروس البلاد ممبئی میں بدایون، مارہرہ، اور بریلی کے واعظوں کا غلبہ ہوا کرتا تھا، کسی صحیح العقیدہ عالم کی مجال نہیں تھی کہ یہاں بیانات کرے۔ بڑوں سے سنا کہ جب یہاں پہلے پہل قاری صاحب کے بیانات رکھے گئے تو سارے شہر میں مخالفین کے پوسٹر لگ گئے کہ شیطانوں کا سردار آرہا ہے، اس زمانے میں ممبئی میں پشاوری اور افغانی پٹھانوں کی بڑی تعداد آباد تھی، پھلوں اور

میوات کی تجارت کے علاوہ ان میں خاصی بڑی تعداد جرائم پیشہ افراد کی بھی تھی، جو اُکسانے پر مرنے مارنے کے لیے آمادہ ہو جاتی تھی، منفی پبلسٹی سے متاثر ہو کر شیطان کے سردار کا توڑ کرنے کی غرض سے ایسا ہی ایک پٹھان قاری صاحب کی مجلس میں لٹھ لے کر پہنچا، وہاں آپ کی ملکوتی شخصیت نے اسے ہکا بکا کر دیا، آپ کے منہ سے پھول جیسے بول جھڑتے دیکھ کر اس کی زبان گنگ ہو گئی، اس نے وہیں نہ صرف علی الاعلان توبہ کی، بلکہ اُلٹے آپ کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح شقی سے شقی لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہوتے رہے۔ پھر تو ممبئی میں مسلک دیوبند کے خطیبوں اور عالموں کا ایک ریلا لگ گیا، اور آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ، اور مولانا قاری ودود الحی نفیس لکھنویؒ، اور جناب پالن حقانیؒ نے تو یہاں کا نقشہ ہی بدل دیا۔

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصہ تک رمضان المبارک میں بھنڈی بازار کی نواب ایاز مسجد میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے، آپ کے ایک مرید خاص صوفی عبد الرحمٰن مرحوم نے انہیں ریکارڈ کرنے کا اہتمام کیا تھا، اور آپ کے پانچ سو ﴿۵۰۰﴾ تفسیر قرآن کے دروس محفوظ کیے تھے، جنہیں آپ سے جنوبی افریقہ کے ایک بزرگ مولانا محمد اسماعیل کتھرادا صاحب بڑی ریل سے چھوٹے کیسٹوں میں منتقلی کے وعدے کے ساتھ ۱۹۸۵ء کے آس پاس لے گئے تھے۔ صوفی صاحب نے حضرت کی رحلت کے بعد حکیم الاسلام اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا، اور وہاں سے کئی ایک سورتوں کی تفسیر بھی شائع کی تھی۔ اگر یہ ذخیرہ دستیاب ہو جائے اور اس پر محنت کی جائے تو اردو لٹریچر میں علوم قرآن کے ایک عظیم ذخیرے کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ حضرت کی زندگی ہی میں اس ناچیز نے آپ کی تقاریر کی ریکارڈنگ کی تلاش اور ان کی حفاظت کی درخواست کی تھی، اور ذرہ ذرہ کر کے آپ کے ڈھائی سو کے قریب خطبات کے کیسٹ جمع کیے تھے۔ ان کیسٹوں کی فہرست سازی اور ایک دوسرے سے انہیں نمایاں کرنے اور پہچان کی غرض سے خطبہ کے شروع کی آیت یا حدیث کو بنیاد بنایا تھا، ہمارے جمع کردہ یہ خطبات ۱۹۶۰ء سے رحلت تک تقریباً بیس سال کے عرصہ پر محیط تھے، اور یہ انگلستان، افریقہ، بھارت، پاکستان اور ملکوں ملکوں کی مجالس پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کوشش کے دوران ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب یہ انکشاف ہوا کہ ان میں سے ہر خطبے کا آغاز الگ الگ آیت یا حدیث سے ہوا تھا، خطبہ کے آغاز میں ان کی تکرار شاید ایک یا دو خطبات ہی میں پائی گئی تھی۔ یہ تھے علم وحکمت کے بحر بے کراں جن کی جانشینی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئی تھی۔

اپنے والد ماجد کے دورِ اہتمام میں ۱۹۴۸ء سے بتیس سال تک دارالعلوم میں آپ نے بحیثیت مدرس خدمات انجام دیں، اس دوران آپ اپنے والد ماجد کا سایہ بن کر رہے، اور آپ سے

فیض حاصل کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تصوف کی راہ میں آپ نے پہلے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہاتھوں پر بیعت کی، آپ کی رحلت کے بعد حضرت حکیم الاسلام کے خلیفہ اور مجازِ بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس طرح آپ علوم نانوتویؒ کے جسمانی اور روحانی امین بن گئے۔

دارالعلوم کے جن طلبہ نے آپ کو دورانِ طالب علمی دیکھا ہے، ان کی گواہی ہے کہ مولانا کے دروس حشو و زوائد سے پاک ہوا کرتے تھے۔ پابندیِ وقت کا آپ بہت خیال رکھتے تھے، اور اسباق بڑے دلنشین انداز میں پڑھاتے تھے۔ آپ کی تدریس کے پینتیس (۳۵) سالہ دور میں آپ سے فیض پانے والے علماء میں سے بہت سارے آسمانِ علم کے چاند تارے بن گئے۔ ان شخصیات میں دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری صاحب کی نسل کے اساتذہ بھی پائے جاتے ہیں۔ مولانا تعلیم وتعلم کے آدمی تھے، آپ کے دروس سیاست اور پارٹی بازی سے پاک ہوا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی میں سب سے کٹھن وقت اس وقت آیا جب آپ کے والد ماجد کے ساتھ آپ کو بھی اپنے آباء واجداد کے قائم کردہ گہوارۂ علم سے الگ ہونا پڑا، یہاں آپ نے بولنا سیکھا تھا، اس سایہ دار درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی کے پچپن سال گزارے تھے، آستانۂ قاسمی اس کے سامنے ہی واقع تھا، اس وقت دل پر کیا گزرتی ہوگی جب آپ پر اس کے دروازے بند کردیئے گئے ہوں۔ اللہ کا شکر ہے آنکھ بند ہونے سے پہلے گلے شکوے دور کرکے اس دنیا سے اُٹھے۔ جب جنازہ اٹھا تو دل کدورتوں سے پاک تھا۔ ویسے آپ نے اپنے خالق کے سوا بندوں کا گلہ شکوہ کسی سے کیا ہی کب تھا؟! آپ تو عفتِ لسانی کا نمونہ تھے۔

مولانا خوش قسمت تھے جو آنکھیں بند ہونے سے پہلے پہلے روشن سورج کی طرح حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی فراست، اور فیصلوں کی درستگی کا ثبوت دیکھ گئے۔ آج سے نصف صدی پیشتر اپنے دورِ اہتمام میں حضرت قاری صاحب نے دارالعلوم کے بعض اساتذہ کی جماعتی اور گروہی سرگرمیوں اور اس کے لیے جوڑ توڑ کو دیکھتے ہوئے ہدایت کی تھی کہ وہ دو کشتیوں میں پاؤں نہ رکھیں۔ تدریس اور جماعتوں کے عہدوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ بعضوں کو یہ بات پسند نہیں آئی، انہوں نے تدریس پر پارٹی مفادات اور عہدوں کو ترجیح دی، اور حضرت قاری صاحب کے خلاف جوڑ توڑ شروع کی جو دارالعلوم کے انتشار پر منتج ہوئی۔ اس انتشار کے تیس سال بعد تاریخ نے خود کو دہرایا، اب کی بار شوریٰ نے ناظم تعلیمات اور نائب مہتمم کو نوٹس جاری کیا کہ وہ اپنی جماعت کی صدارت یا دارالعلوم کے عہدے میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ بات یہاں تک نہیں رکی، بلکہ شوریٰ نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے دوسری ایک ایسی جماعت کی سرگرمیوں پر دارالعلوم کے احاطے میں پابندی عائد کردی جس کے بارے میں عام خیال تھا کہ اس نے دارالعلوم کے بطن سے جنم لیا تھا۔ اس طرح حضرت حکیم

الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام کہ اساتذہ اور طلبہ کو اولین ترجیح تعلیم وتدریس کو دینی چاہیے، اور اس کے لیے یکسوئی اور تن دہی سے اپنی صلاحیتیں صرف کرنی چاہئیں، اسی یکسوئی سے دیوبند نے وہ علماء، فقہاء اور محدثین پیدا کیے تھے جن پر بجا طور پر مسلمانانِ ہند کو فخر حاصل ہے۔ یہی موقف حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ومرشد حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا۔ جب حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو محسوس ہوا کہ دارالعلوم پر جذباتی پارٹی بندی کا غلبہ ہورہا ہے اور اس رویہ کی اصلاح آپ کی دسترس سے باہر ہے تو دارالعلوم کی سرپرستی سے کنارہ کش ہوگئے۔

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد سالم صاحب کے دلوں پر دارالعلوم سے نکلنے کے بعد اس کے بالمقابل ایک دوسرے دارالعلوم کا قیام بہت شاق گزر رہا تھا، اور ایک عرصہ تک اس پر دل بھی آمادہ نہیں ہورہا تھا، لیکن حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے احباب کے اصرار پر کچھ عرصے بعد ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء میں علم دین کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا تھا، اس کے فیض کو عام کرنے کے لیے ایک نئے ادارے وقف دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں شریک ہوئے، اور تادم واپسیں ۳۶؍سال تک اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم دین اور دعوت کی خدمت انجام دی۔ اللہ کی ذات حکمت والی ہے، انتشار میں بھی منفعت کی راہ نکل آئی، آج وقف دارالعلوم بھی اپنے اصل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دیوبند کی دوسری آنکھ بن گیا ہے، روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اس سے فیض کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

ہمارا قصبہ بھٹکل، شمالی ہند سے دور ایک کنارے پر ہونے کے باوجود بڑا خوش قسمت رہا ہے۔ یہاں کے باشندگان کو علمائے دین سے ایک گونہ تعلق رہا۔ یہاں کی شخصیات میں سے اسماعیل کوبٹے مرحوم کو حضرت حکیم الاسلام سے بڑا پرانا تعلق تھا، آپ ہی کی رہنمائی میں آپ نے ہبلی میں انجمن درسِ قرآن قائم کی تھی اور اسے مستحکم کرنے اور اسے باقاعدہ دارالعلوم کی شکل دینے کی غرض سے مبلغ دیوبند مولانا ارشاد احمد مرحوم کے برادر مولانا ریاض احمد فیض آبادی مرحوم کو سن پچاس کی دہائی میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے بھیجا تھا۔ اس دوران ہبلی میں مسلمانوں کے قبرستان میں قادیانیوں کی تدفین کا قضیہ اُٹھا، مولانا ریاض احمد نے تحریک چلائی، اور مقدمہ کی پیروی کی، جس کے نتیجہ میں تاریخ میں پہلی بار کسی کورٹ نے قادیانیوں کے کافر ہونے کا فیصلہ صادر کیا۔ یہ فیصلہ غالباً ۱۹۵۷ء میں صادر ہوا تھا۔ یہی انجمن درسِ قرآن بعد میں ریاض العلوم بن گیا۔ حضرت حکیم الاسلام اور مولانا محمد سالم صاحبان ان دنوں ہبلی سے ہوتے ہوئے پہلی مرتبہ بھٹکل تشریف لائے تھے۔ ویسے بھٹکل والوں میں الحاج محی الدین منیری اور ڈاکٹر علی ملپا مرحوم سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ منیری صاحب کی انجمن خدام النبی، حج

کمیٹی ممبئی سے وابستگی نے بھی ان تعلقات کومضبوط تر کیا تھا، اور چونکہ اس زمانے میں اہل بھٹکل کی بہت بڑی تعداد بھنڈی بازار اور خاص کر مسجد اسٹریٹ میں اقامت پذیر تھی تو حضرت حکیم الاسلامؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں براہ راست استفادے کا موقع ملا ۔ ۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی کے دور میں حضرت حکیم الاسلامؒ بھٹکل تشریف لائے تھے ۔ مایوسی کے اس دور میں مدارسِ دینیہ کی بقا کے موضوع پر آپ کا خطاب الہامی حیثیت رکھتا ہے، مدارسِ دینیہ سے وابستہ افراد کو اسے بار بار سننا چاہیے ۔

وقف دارالعلوم پر ابتدا میں بڑا کڑا وقت آیا، ایک طرف مخالف پروپیگنڈہ، وسائل محدود، بنیادی طور پر مولانا سالمؒ کا مزاج بھی چندے والوں کا نہیں تھا ۔ نوزائیدہ ادارے سے مربوط ہونے والے زیادہ تر افراد بزرگ اور ریٹائرڈ عمر کو پہنچ چکے تھے ۔ انہوں نے اپنا خون نچوڑ کر اپنے مادرِعلمی کو دے دیا تھا، لیکن ان کی جسمانی قوت ان کے بلند حوصلوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی ۔ خود مولانا بھی اس وقت ۶۰ر کے پیٹے میں تھے، ادارے قائم کرنے اور چلانے کے لیے نوجوان خون کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اللہ نے ہمت دی تھی، توفیق الٰہی ساتھ ساتھ چلتی رہی، نیتیں نیک تھیں، مقصد صالح تھا، اللہ نے رکاوٹوں کو دور کیا ۔ اسی پریشانی کے عالم میں مولانا سے ہماری پہلی ملاقات ۱۹۹۸ء میں دبئی میں ہوئی ہوئی تھی ۔ اس وقت یہاں پر بھٹکلی احباب میں سے مظفر کولا صاحب، اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے مخلص مرید عزیز الحق بنگالی مرحوم جو ممبئی میں اپنی تجارت کو لپیٹ کر پیرانہ سالی میں اب یہاں جد وجہد کر رہے تھے، اور پھر حاجی عبدالرزاق رصاصی مرحوم نے آپ کا خیال رکھا ۔ مولانا کی اس رفاقت میں آپ کی شگفتہ مزاجی کا احساس ہوا ۔ دور سے جو زاہد خشک نظر آتے تھے، ان کی مجلسوں کا رنگ ہی الگ تھا ۔ ادبی ذوق رگ و پے میں بھرا ہوا تھا، برجستہ اشعار ایسے بیان کرتے کہ دوسرے اکابرین میں اس کی دوسری مثال شاید باید ہی ملے ۔ ہماری آواز کے ذخیرے سے بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، جگر مرادآبادی کا کلام سن کر جھوم اُٹھتے ۔ یہ ذوق غالباً نسل در نسل آپ میں منتقل ہوا تھا، کیونکہ آپ کے والد ماجد تقریر میں جو زبان استعمال کرتے تھے، لسانیات کے جو نکتے بیان کرتے تھے، اور اس میں جو سلاست اور فصاحت ہوا کرتی تھی، یہ خون میں ادبی ذوق سرایت کیے بغیر ممکن نہیں تھا ۔ ویسے آپ کی ہمشیرہ اور مایہ ناز صحافی مولانا حامد اللہ انصاری غازی کی اہلیہ ہاجرہ نازلی کا شمار اردو کی بہترین ناول نگار خواتین میں ہوتا ہے ۔

مولانا اپنے دوستوں، ساتھیوں اور شاگردوں کے ستائے ہوئے تھے ۔ دارالعلوم کے تنازعے میں اور وقف کے قیام کے بعد ذہن و دماغ پر بہت زیادہ بوجھ پڑ گیا تھا، لیکن مجال تھی جو حرفِ شکایت زبان پر لاتے ۔ کئی بار مولانا کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، بڑا بے تکلفانہ ماحول ہوتا، بات چیت میں اپنائیت کا احساس ہوتا ۔ اس دوران آپ کی غیبت کرنے والوں کا تذکرہ کسی چاہنے والوں سے

آتا، لیکن کیا مجال تھی جو کبھی آپ کی زبان حرفِ شکایت سے داغدار ہو جائے۔ یہ آپ کے کردار کی عظمت تھی، جس نے آپ کو ہمیشہ سر بلند رکھا۔ بلندیِ کردار کے ایسے نمونے اب اہلِ علم میں ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ آپ کے ساتھ جو کچھ برا ہوا، انہوں نے اسے بھلا دیا تھا۔ مولانا اسعد مدنی مرحوم سے بسترِ مرگ پر جاکر ملے اور دلوں کو صاف کرنے میں پہل کی۔ مولانا غلام محمد وستانوی کی جگہ پر اہتمام کی ذمہ داری اور جمعیت کے آپسی اختلافات کے بعد بحیثیت صدر آپ کے انتخاب کی کوششوں کو آپ نے قبول نہیں کیا، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں جو تنازعہ پیدا ہوا تھا اس کی اساس جاہ ومنصب کی خواہش نہیں تھی، وہ ایک اصولی بات تھی جس سے تادم واپسیں آپ نے منہ نہیں موڑا۔ یہ آپ کے اخلاص کی نشانی تھی۔ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد صدارت کے لیے ووٹنگ ہوئی تو مولانا سالم اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو یکساں ووٹ ملے، لیکن آپ نے مولانا سید محمد رابع صاحب کے حق میں پلا وزنی کرکے انہیں بورڈ کا صدر بننے میں کردار ادا کیا۔

ایک طویل عرصے سے ان کے پاؤں کمزور ہوگئے تھے، چلنا پھرنا ممکن نہیں رہا تھا، بڑھتی عمر کے ساتھ بیماریاں بھی سایہ فگن رہتیں۔ بیماریوں کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ کب حملہ آور ہوں، لیکن ملت کے مفاد میں جب تک سانس چلتی رہی ہمیشہ رختِ سفر باندھے رکھا۔

اس حالت میں بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک دن کے اجلاس میں شرکت کے لیے پورے دن کا سفر طے کرکے کئی ایک اسٹیشن اور ہوائی اڈے تبدیل کرکے بھٹکل پہنچتے ہم نے بھی دیکھا، اور پیرانہ سالی کی اس ہمت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

مولانا اپنے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جانشین واقع ہوئے تھے۔ تقریر بڑی دل نشین کرتے تھے، جوانی میں انداز میں ٹھہراؤ تھا۔ لیکن آخر آخر میں بولنے کی رفتار میں کچھ تیزی محسوس ہوتی تھی، لیکن علم وحکمت کی باتیں وہی ہوا کرتیں، فصاحت وسلاست میں بھی وہی حسن پایا جاتا تھا۔

مولانا نے ایک طبعی عمر گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا اب اس بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں، جہاں سے واپس کوئی نہیں آتا، لیکن جب جانے والی کی جگہ پر نہ ہو، خلا بھرنے کی کوئی آس نہ ہو، اور زمانے کو ان کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہو تو کیسے ممکن ہے کہ وہ دلوں میں زندہ نہ رہیں۔ ستر سال تک جن کے سامنے ایک کثیر تعداد افراد نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو، اور ان کی جلائی ہوئی شمعوں کی لو سے لاکھوں شمعیں جل اُٹھی ہوں اور ان سے چار دانگِ عالم میں علم کی روشنی پھیل گئی ہو آخر ایسی شخصیت کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ کیوں نہ اٹھیں گے؟! **اللّٰهم اغفر له وارحمه ، آمين .**

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ابنِ امیرِ شریعت، قائدِ احرار حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کا سانحۂ ارتحال

مولانا سید محمد کفیل بخاری
جنرل سیکرٹری مجلس احرار، پاکستان

ابنِ امیرِ شریعت، قائدِ احرار، حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۶ رشعبان ۱۴۳۹ھ، ۲۳/اپریل ۲۰۱۸ء بروز پیر ایک بجے شب ۷۷/برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔

حضرت سید عطاء المؤمن بخاریؒ ۷/ربیع الاوّل ۱۳۶۰ھ/ ۱۵/اپریل ۱۹۴۱ء بروز ہفتہ امرتسر (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔قرآن کریم ناظرہ وحفظ کی تعلیم والدہ ماجدہ رحمہا اللہ سے شروع کی۔ قیامِ پاکستان کے وقت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امرتسر سے لاہور آ گئے اور چند ماہ دفتر مجلس احرارِ اسلام میں قیام کے بعد نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کے ہاں خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ میں تشریف لے گئے۔ وہاں سیلاب آ گیا اور ۱۹۴۸ء میں ملتان منتقل ہو گئے۔حضرت سید عطاء المؤمن بخاریؒ نے اپنے برادرِ بزرگ حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے چند پارے حفظ کیے۔ جامعہ قاسم العلوم گھر کے قریب تھا اور حضرت قاری محمد اجمل رحمۃ اللہ علیہ یہاں استاذ تھے۔تقریباً پندرہ پارے اُن سے حفظ کیے، قاری صاحب مدرسہ چھوڑ کر اپنے علاقہ دائرہ دین پناہ مظفر گڑھ چلے گئے تو حضرت امیر شریعت نے اُنہیں جامعہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس داخل کرا دیا اور یہیں ۱۹۵۳ء میں آپ نے حفظِ قرآن کریم مکمل کیا۔عربی فارسی کی ابتدائی کتب حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ قاسم العلوم ملتان میں پڑھیں۔اس دوران حضرت امیر شریعت اُنہیں لے کر خانقاہِ سراجیہ کندیاں پہنچے اور حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا۔

حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کہانی خود سنایا کرتے کہ: میں حضرت ثانی، مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا، اُن کی خدمت میں مسلسل رہا، انہوں نے شفقت ومحبت سے میری تربیت

کی، سفر وحضر میں مجھے ساتھ رکھتے، کئی اسفار اُن کے ساتھ کیے۔ ایک دن ابا جی کو میرے متعلق فرمایا کہ: بہت نازک طبیعت اور نفیس مزاج ہے۔ ابا جی یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا: جو کچھ بھی ہے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے، اسے آپ سنبھالیں۔ حضرت مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد میرے مربی و محسن حضرت مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ اُن کے جانشین ہوئے اور کچھ عرصہ کے لیے اپنے گاؤں ڈِنگ ضلع میانوالی منتقل ہوگئے، مجھے اور دیگر طلبہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہیں میں نے درسِ نظامی کی چند کتابیں آپ سے پڑھیں۔ کچھ عرصے بعد ملتان آ گیا، پھر جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں داخل ہوگیا اور اسی دور میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت ہوا۔ اگر مجھے اپنے اباؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبتیں میسر نہ آتیں اور میں نے مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں نہ پڑھی ہوتیں تو شاید گمراہ ہو جاتا۔ انہی اکابر و اساتذہ کے فیض سے میرا ایمان بچا۔

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ جامع الصفات شخصیت تھے، آپ کی صفات اور خوبیاں اولاد میں بھی منتقل ہوئیں۔ حضرت سید عطاء المؤمن بخاریؒ آپ کے جلال و جمال، فکر و نظر کی بلندی اور قرآن فہمی کے وارث و امین اور مظہرِ حسین تھے۔ وسعتِ مطالعہ، علمِ تفسیر و حدیث، تاریخ و فلسفہ، شعر و ادب اور سیاست و خطابت میں کمال درجہ پر فائز تھے۔ جرأت و بہادری اور خطابت اُنہیں ورثے میں ملی تھی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک مقدس تحفظِ ختمِ نبوت کے جلوسوں میں شریک ہوتے، اپنے اور دوستوں کے جذبوں کو گرماتے۔ ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب خان مرحوم نے سیاسی جماعتوں سے پابندیاں ختم کیں تو اپنے برادرِ بزرگ حضرت سید ابوذر بخاریؒ کی قیادت میں مجلس احرارِ اسلام کی تنظیم نو اور شیرازہ بندی میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۷۰ء کے سیاسی ہنگامہ خیز دور میں مجلسِ احرارِ اسلام کے پلیٹ فارم سے دینی جماعتوں کے ساتھ مل کر جدوجہد کی۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ حکومت میں اُن پر کئی مقدمات بنے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور پورے عزم و استقلال کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختمِ نبوت میں پہلے ملتان اور پھر لاہور کو اپنا مسکن بنایا اور پوری تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ کئی شہروں میں مرکزی جلسوں میں اُن کے شعلہ بار خطاب ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کی تحریک میں انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر کے تحریک میں بڑی قوت پیدا کی۔ ملتان کا کوئی جلسہ اُن کی تقریر کے بغیر ادھورا تصور ہوتا تھا۔ اس تحریک میں مولانا مفتی محمودؒ اور نوابزادہ نصر اللہ خان کے ہمراہ بے شمار تقاریر کیں اور اُن سے داد و تحسین وصول کی۔ ۱۹۸۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں اپنے استاذ و مربی

حضرت مولانا خان محمد نور اللہ مرقدہٗ کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا اور امتناعِ قادیانیت قانون کی صورت میں کامیابی حاصل کی۔ پرویز مشرف کے دورِ آمریت میں اس کے خلافِ اسلام اقدامات کے خلاف اُن کی آواز سب سے توانا تھی، جس کی پاداش میں قید بھی ہوئے۔

حضرت سید عطاء المؤمن بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بھرپور تحریکی اور مجلسی زندگی گزاری۔ وہ عمر بھر دینی قوتوں کے اتحاد کے لیے جدوجہد کرتے رہے اور زندگی کے آخری سانس تک اپنے اس مشن پر کاربند رہے۔ گزشتہ آٹھ نو برس سے فالج کے عارضہ میں مبتلا تھے، لیکن اس حال میں بھی کراچی سے پشاور تک کا سفر کیا، علماء سے ملے اور اتحاد کی کوششیں کرتے رہے۔ مرض نے شدت اختیار کی تو تقریباً دو برس سے اسفار ختم ہوگئے تھے۔ اگرچہ وہ اب مستقل بستر پر تھے، مگر گفتگو اب بھی کمال کرتے۔ اُن کی مجلس بڑی دلچسپ، معلومات افزا اور پُر بہار ہوتی۔ مایوسی اور خوف کبھی اُن کے قریب بھی نہیں آئے، آخری شب بھی معمول کی مجلس منعقد ہوئی۔

آخری وقت کلمہ طیبہ پڑھا، دوستوں سے معذرت کی اور جان اللہ کے سپرد کردی۔ اکثر فرماتے: اللہ غفلت کی موت نہ دے، اللہ تعالیٰ نے ایمان پر خاتمہ نصیب کیا۔ ۲۴؍اپریل کو بعد نمازِ مغرب سپورٹس گراؤنڈ میں آپ کے اکلوتے فرزند، برادرِ عزیز سید عطاء اللہ ثالث بخاری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے عظیم والد ماجد کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے آسودۂ خاک ہوئے۔ زندگی بھر عوامی اجتماعات سے خطاب کیا اور نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد شریک ہوئے، جن میں احرار کارکنوں، علماء وطلبہ اور دینی وسیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہٗ، مولانا محمد حنیف جالندھری اور سینکڑوں علماء نے شرکت کی، قائدِ احرار، ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم اپنی شدید علالت وضعف کے باوجود شریک ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور دینِ حق کے لیے آپ کی مساعی قبول فرمائے۔ آپ کے فرزند برادرِ عزیز سید عطاء اللہ ثالث بخاری کو حوصلہ وہمت دے، عمر میں برکت دے اور اُن کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ جی کی ہمہ جہت شخصیت کا ان سطور میں احاطہ ممکن نہیں۔ امید ہے اہلِ قلم اپنی یادداشتوں کو موقع بموقع سپردِ قلم کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ!

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

جامعہ کے استاذ مولانا فیصل خلیل صاحب کے والد ماجد کی رحلت

محمد اعجاز مصطفیٰ

جامعہ کے استاذ حضرت مولانا فیصل خلیل صاحب مدظلہٗ کے والد ماجد جناب محترم خلیل الدین صاحبؒ ۲۵؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعرات ۷۵؍سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہٗ ماأعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی، اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ وأدخلہ جناتک جنات النعیم یا رب العالمین! وألھم ذویہ الصبر والسلوان۔

مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند، باشرع، انتہائی متقی، پرہیزگار، اپنے کام سے کام رکھنے والے، خاموش مزاج، اور بااخلاق انسان تھے۔ اپنے فرزند مولانا فیصل خلیل صاحب کو بچپن سے ہی عالم بنانے کا جذبہ اور تمنا تھی، چنانچہ اس تمنا کو ماحول کی ناسازی کے باوجود بڑی ہمت اور محنت سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا، ان کے جذبے اور ہمت کا اندازہ اس سے لگالیجیے کہ مولانا موصوف اپنے خاندان (ننھیال وددھیال) میں واحد عالم دین ہیں۔

مرحوم تقریباً ایک سال سے مختلف عوارض کا شکار تھے، علاج معالجہ ہوتا رہا، کئی بار ہسپتال میں داخل ہوئے۔ آخر میں پٹیل ہسپتال کراچی میں کئی دن داخل رہنے کے بعد جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ نمازِ جنازہ بعد نمازِ ظہر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم العالیہ کی اقتداء میں ادا کی گئی، اور تدفین ڈالمیا قبرستان میں عمل میں آئی۔ پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بیٹے اور تین بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

ماہنامہ ''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت ورفعِ درجات اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کی وفات

محمد اعجاز مصطفیٰ

حضرت شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ، جامعہ کے اساتذہ مفتی تقی الدین شامزی اور مفتی سلیم الدین شامزی حفظہما اللہ کی دادی محترمہ ۱۹؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق ۶؍مئی ۲۰۱۸ء بروز اتوار تقریباً ۱۰۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولهٗ ماأعطٰی وکل شیء عندهٗ بأجل مسمّٰی، اللّٰهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها وأکرم نزلها ووسع مدخلها وأدخلها جناتک جنات النعیم یا رب العالمین! وألهم ذویها الصبر والسلوان۔**

مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند، نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرحومہ کو حضرت شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ جیسا بیٹا عطا فرما کر دنیا میں بھی ایک اعزاز عطا فرمایا تھا، اور ان شاء اللہ! قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وغفران کا معاملہ فرمائیں گے۔ مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطا فرمائے، جن میں ڈاکٹر عزیز الدین شامزیؒ، اور حضرت مفتی نظام الدین شامزیؒ دونوں شہادت کے مرتبے پر فائز ہو چکے ہیں۔ ایک بیٹے مولانا رحمٰن الدین حیات ہیں۔

مرحومہ پر ۱۸؍مارچ ۲۰۱۸ء کو فالج کا حملہ ہوا، لیاقت نیشنل ہسپتال میں داخل کیا گیا، کچھ دن کے لیے افاقہ ہوا، دوبارہ طبیعت خراب ہونے پر ہسپتال منتقل کیا گیا، پھر پانچ دن داخل رہنے کے بعد ۶؍مئی ۲۰۱۸ء بروز اتوار کو انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ اسی دن بعد نمازِ ظہر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ان کے بیٹے مولانا رحمٰن الدین شامزی مدظلہٗ کی اقتداء میں ادا کی گئی، بعد ازاں مواچھ گوٹھ قبرستان میں تدفین ہوئی۔ ماہنامہ ''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت ورفعِ درجات اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت نمازِ نفل

اور دو یا تین منٹ تاخیر کی شرعی حیثیت

ادارہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

۱:......اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت نمازِ نفل پڑھنے کی عندالاحناف کیا حیثیت ہے؟

۲:......کتبِ احناف کی تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اذانِ مغرب کے بعد جماعت کھڑی کی جائے گی، کیونکہ اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

۳:......جبکہ آج کل بہت سی مساجد میں اذانِ مغرب کے بعد دو یا تین منٹ کا وقفہ دیا جاتا ہے، فقہ حنفی کی رو سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

۴:......کیا تکثیرِ جماعت یا لوگوں کو مسبوق ہونے سے بچانے کے لیے مغرب کی جماعت کھڑی کرنے میں دو یا تین منٹ کی تاخیر کی جاسکتی ہے؟

۵:......جن مساجد میں دو یا تین منٹ کا وقفہ کیا جاتا ہے، وہاں اگر کوئی حنفی المسلک شخص (اس وقفے میں) دو رکعت نفل نماز پڑھنا چاہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مستفتی: مولوی محمد عمران عثمان

الجواب حامدًا ومصليًا

۱:......مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل نماز پڑھنا سنت نہیں ہے اور اُن کو سنت سمجھ کر پڑھنا مکروہ ہے۔خود نبی کریم ﷺ نے اُن کو سنت سمجھ کر پڑھنے کو ناپسند فرمایا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''عن عبد اللّٰہ بن بریدۃؓ قال: حدثنی عبد اللّٰہ المزنیؓ عن النبی ﷺ قال: صلُّوا قبل صلاۃ المغرب ، قال فی الثالثۃ: لمن شاء ، کراھیۃَ أن یتخذھا الناس سنۃً۔''

(کتاب التہجد، باب الصلاۃ قبل المغرب، ج:۱،ص:۱۵۸، ۱۵۷،ط:قدیمی)

نیز آنحضرت ﷺ اور خلفائے اربعہؓ سے مغرب سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ سنن ابوداؤد میں ہے:

''عن طاؤسؒ قال: سئل ابن عمرؓ عن الرکعتین قبل المغرب ، فقال: ما رأیتُ أحداً

علی عهد رسول اللّٰہ ﷺ یصلیهما، ورخص فی الرکعتین بعد العصر۔‘‘
(کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ قبل المغرب، ج:۱، ص:۱۹۰، ط: رحمانیہ)

’’**کتاب الآثار بروایة الإمام محمدؒ**‘‘ میں ہے:

’’**عن حمادؒ قال: سألت إبراهیم عن الصلاة قبل المغرب، فنهانی عنها وقال: إن النبی ﷺ وأبابکرؓ وعمرؓ لم یصلوها، قال محمدؒ: وبه نأخذ، إذا غابت الشمس فلا صلاة علٰی جنازة ولاغیرها قبل صلاة المغرب، وهو قول أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه۔‘‘** (کتاب الصلاۃ، باب مایعاد من الصلاۃ وما یکرہ منہا، ج:۱، ص:۳۷۴، بتحقیق الشیخ ابی الوفاء الأفغانی رحمہ اللہ، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

’’**کشف الأستار عن زوائد البزّار للهیثمی**‘‘ میں ہے:

’’**عن عبد اللّٰه بن بریدةؓ عن أبیه أن النبی ﷺ قال: بین کل أذانین صلاة إلا المغرب۔‘‘**
(ابواب صلاۃ التطوع، باب بین کل أذانین صلاۃ، ج:۱، ص:۳۳۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

’’**الدر المختار**‘‘ میں ہے:

’’**وکره نفل...... وقبل) صلاة (المغرب) لکراهة تاخیره إلا یسیراً. وفی الرد: (قوله: وقبل صلاة المغرب) علیه أکثر أهل العلم، منهم أصحابنا ومالک، وأحد الوجهین وغیرهما مما یفید أنه ﷺ کان یواظب علی صلاة المغرب بأصحابه عقب الغروب ...... روی عن محمدؒ عن أبی حنیفة عن حمادؒ: أنه سأل إبراهیم النخعیؒ عن الصلاة قبل المغرب، قال: فنهی عنها، وقال: إن رسول اللّٰه ﷺ وأبابکرؓ وعمرؓ لم یکونوا یصلّونها۔‘‘** (کتاب الصلاۃ، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، ج:۱، ص:۳۷۴، ۳۷۶، ط: سعید)

باقی رہی وہ روایات جن میں مغرب سے قبل دو رکعت کا ذکر ہے تو مذکورہ بالا روایات کی بنا پر ان پر عمل جائز نہیں، اس لیے کہ اصولیین کے ہاں یہ ضابطہ ہے کہ جب حدیثِ مرفوع پر عمل نہ کرنے پر اتفاق ہوجائے تو یہ اس کے ضعف کی علامت ہوتی ہے، (خصوصاً جبکہ اس کے بالمقابل صحیح روایات بھی موجود ہیں) یا پھر یہ روایات نمازِ مغرب میں جلدی کرنے کے حکم سے پہلے پر محمول کی جائیں گی۔ ’’**رد المحتار**‘‘ میں ہے:

’’**وقال القاضی أبوبکر بن العربیؒ: اختلف الصحابةؓ فی ذٰلک ولم یفعله أحد بعدهم، فهٰذا یعارض ما روی من فعل الصحابة ومن أمرهٖ صلی اللّٰه علیه وسلم بصلاتهما، لأنهٗ إذا اتفق الناس علی ترک العمل بالحدیث المرفوع لایجوز العمل به، لأنهٗ دلیل ضعفه علٰی ما عرف فی موضعه، ولو کان ذٰلک مشتهراً بین الصحابة لما خفی علی ابن عمرؓ، أو یحمل ذٰلک علٰی أنهٗ کان قبل الأمر بتعجیل المغرب، وتمامهٗ فی شرح المنیة۔‘‘** (کتاب الصلاۃ، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، ج:۱، ص:۳۷۶، ط: سعید)

۲، ۳، ۴: ......اذان کے بعد تاخیرِ مغرب کے تین درجات ہیں:

۱:- دو رکعت سے کم تاخیر، یہ مکروہ نہیں۔

۲:- دو رکعت کے بقدر یا اس سے زائد تاخیر کرنا، لیکن ستاروں کے طلوع وظہور سے قبل نماز پڑھنا، اتنی تاخیر مکروہِ تنزیہی ہے۔

۴:- اتنی تاخیر کرنا کے ستارے ظاہر ہوجائیں، یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ ''الدر المختار'' میں ہے:

''(و) تعجیل (مغرب مطلقًا) وتاخیرہٗ قدرَ رکعتین یکرہ تنزیهاً. وفی الرد: (قوله: یکره تنزیهاً) أفاد أن المراد بالتعجیل أن لایفصل بین الأذان والإقامة بغیر جلسة أو سکتة علی الخلاف، وأن ما فی القنیة من استثناء التاخیر القلیل محمول علٰی ما دون الرکعتین، وأن الزائد علی القلیل إلی اشتباک النجوم مکروه تنزیهاً، وما بعدہٗ تحریماً إلا بعذر، قال فی شرح المنیة: والذی اقتضته الأخبارُ کراهةَ التاخیر إلی ظهور النجم، وما قبلهٗ مسکوت عنه، فهو علی الإباحة وإن کان المستحبُ التعجیلَ۔'' (کتاب الصلاۃ، مطلب: فی طلوع الشمس من مغربها، ج:۱،ص:۳۷۰،۳۶۱، ط:سعید)

نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کے بقدر فصل کیا جاسکتا ہے، جبکہ امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اتنی دیر ٹھہرا جاسکتا ہے جتنا دونوں خطبوں کے درمیان خطیب بیٹھتا ہے۔ ''البحر الرائق'' میں ہے:

''(قوله: ویجلس بینهما إلا فی المغرب) أی ویجلس المؤذن بین الأذان والإقامة علی وجه السنّیة إلا فی المغرب فلا یسنّ الجلوس بل السکوت مقدارَ ثلاث خطوات، وهٰذا عند أبی حنیفة، وقالا: یفصل فی المغرب بجلسة خفیفة قدرَ جلوس الخطیب بین الخطبتین، وهی مقدار أن تتمکن مقعدتهٗ من الأرض بحیث یستقر کل عضو منه فی موضعه۔'' (کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ج:۱،ص:۲۶۱، ط:سعید)

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''واختلفوا فی مقدار الفصل فعند أبی حنیفة رحمه اللّٰه: المستحب أن یفصل بینهما بسکتة یسکت قائماً ساعةً ثم یقیم ومقدار السکتة قدر ما یتمکن فیه من قراء ۃ ثلٰث آیات قصار أو اٰیة طویلة، وعندهما یفصل بینهما بجلسة خفیفة مقدار الجلسة بین الخطبتین۔'' (کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان، ج:۱،ص:۵۷، ط:رشیدیہ)

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ دو منٹ سے کم کے فصل کی گنجائش ملتی ہے، اس سے زیادہ مکروہ ہے۔

۵:......سابقہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک مغرب کی فرض نماز سے قبل نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر کسی مسجد میں دو تین منٹ یا زیادہ تاخیر ہوتی ہو، تب بھی حنفی مقلد کے لیے وہاں نوافل پڑھنا مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالسلام	محمد انعام الحق	محمد یاسر عبداللہ

تخصصِ فقہِ اسلامی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

۲۰-۰۸-۱۴۳۳ھ 11-7-2012ء

نقد و نظر

ادارہ

حیاتِ نافعؒ

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ صاحب۔ صفحات: ۶۷۰۔ قیمت: ۸۰۰ روپے۔ ناشر: رحماء بینہم ویلفیئر ٹرسٹ، محمدی شریف، ضلع چنیوٹ۔

حضرت مولانا محمد نافع قدس سرہٗ ہمارے ان اکابر میں سے ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں صرف کی ہے۔ صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کا دفاع ان کا خصوصی موضوع رہا، جس پر آپؒ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کا اسلوبِ تصنیف اشتعال انگیزی سے دور، اعتدال کا حامل اور نمونۂ سلف صالحین کے مطابق رہا ہے۔ آنے والی نسلوں کو آپ کی شخصیت سے متعارف کرانے کے لیے آپ کے معتقدین اور اولاد نے آپ کی زندگی کے احوال وآثار پر مشتمل یہ مجموعہ مرتب کیا ہے اور اس کو ۱۶/ ابواب پر تقسیم کیا ہے:

باب:۱...... خاندانی پس منظر، آباء واجداد۔ باب:۲...... ولادت اور تعلیم وتربیت، باب:۳...... درس وتدریس اور فتویٰ نویسی۔ باب:۴...... بطور داعی ومبلغ کردار۔ باب:۵...... بطور مناظر کردار۔ باب:۶...... جامعہ محمدی کے لیے تعاون وخدمات۔ باب:۷......تحریک تحفظ ختم نبوت اور سانحہ حسو بلیل میں کردار۔ باب:۸......تصنیفات، تعارف وتبصرہ۔ باب:۹......تصنیفات کا تحقیقی منہج واسلوب۔ باب:۱۰...... سماجی تعلقات، معاملات اور خدمات۔ باب:۱۱...... عام اخلاق، عادات اور معمولات۔ باب:۱۲......اوصافِ حمیدہ وخصائل حسنہ۔ باب:۱۳......نکاح اور اولاد۔ باب:۱۴......علالت ووفات۔ باب:۱۵......تعزیتی پیغامات وتأثرات۔ باب:۱۶......مولانا محمد نافعؒ علماء وقت کی نظر میں۔

حضرت مولانا محمد نافع قدس سرہٗ کے حالات پر ’’تذکرہ مولانا محمد نافع‘‘ کے نام سے ایک کتاب پہلے مرتب کی گئی تھی، جس کے بارہ میں کہا گیا کہ مرتب نے حضرت مولانا محمد نافع قدس سرہٗ کے طرزِ اعتدال سے ہٹ کر بہت کچھ اپنے انداز سے مرتب کیا، جس کی بنا پر آپ کی اولاد واحفاد اور آپ

کے معتقدین نے اس سے کلی براءت کا اعلان کیا اور از سرِنو یہ ''حیاتِ نافع'' نامی مجموعہ تیار کیا۔

بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے، حضرت اقدس کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مجموعہ کو قارئین کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

تحفۃ المعتمرین

مولانا محمد شعیب فاروقی۔ صفحات: ۱۲۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: مکتبۃ الحسنین بغدادہ، مردان۔

اس کتاب کے ٹائٹل پر اس کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

''قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں مرد اور عورت کے لیے مسائل عمرہ، فضائل عمرہ، اہم تصاویر اور ہدایات پر ایک جامع دستاویز۔''

مضامین کے لحاظ سے کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے: ۱: - مکۃ المکرّمۃ سے متعلق۔ ۲: - مدینہ منورہ سے متعلق۔ ۳: - اغلاط المعتمرین۔ اس کتاب میں عمرہ کی فضیلت اور حکم، موضوع کے مناسب دعائیں اور مسئلہ کی دلیل بھی نقل کی گئی ہے، البتہ کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف غالباً تالیف کے میدان میں نوآموز ہیں، جس کی بنا پر کتاب کی اردو عبارت میں کافی سقم اور اغلاط ہیں۔ اور مسائل کی تخریج بھی بعض جگہوں پر محل نظر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ پر صلاۃ وسلام کے صیغے بھی جمہور علماء کی آراء سے ہٹ کر لکھے ہیں۔ اسی طرح اس کتاب کے صفحہ: ۷۷ پر ''مسجد نبوی کی غرض سے سفر'' کا عنوان لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کی غرض سے سفر کرنا جائز نہیں ہے، جو کہ جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے۔ کتاب کا کاغذ، طباعت اور ٹائٹل جاذب نظر ہے۔

آداب الافتاء والقضاء

مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب۔ صفحات: ۳۷۸۔ قیمت: درج نہیں۔ العصر اکیڈمی، جامعہ عثمانیہ، پشاور۔

زیرِتبصرہ کتاب ''آداب الافتاء والقضاء'' مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب کی ایک نئی کاوش ہے، جس میں انہوں نے افتاء، قضاء اور تحکیم کے بارہ میں قرآن وحدیث سے براہِ راست اخذ کردہ آداب کو بہترین اور عمدہ انداز میں جمع کیا ہے۔ مفتی صاحب موصوف نے قرآن کریم اور احادیث کے ہزارہا صفحات کی ورق گردانی اور مطالعہ کیا، جس حدیث سے جو آداب معلوم ہوتے تھے وہ ان کو قلم بند کرتے رہے۔

اس طرح کل ۳۶۲ /آداب عنوانات کے تحت لائے گئے، اس کے علاوہ ایک عنوان کے تحت کئی کئی آداب بھی آ گئے ہیں، مثلاً: عنوان ہے: ''نابالغوں کے لیے استفتاء'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

''**متی یصلی الصبی؟ فقال: إذا عرف یمینه من شماله فمروه بالصلاة** ۔'' (باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، کتاب الصلاۃ، ابوداؤد)........'' بچہ کب نماز پڑھے؟ فرمایا: جب دائیں بائیں کی تمیز جان لے، یعنی یہ دایاں ہے، یہ بایاں ہے، تو پھر اس کو نماز کا حکم دو۔''

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء اور ذمہ دار حضرات نابالغوں کے مسائل مفتیانِ کرام سے پوچھا کریں، کیونکہ بچوں کے بھی احکام ہوتے ہیں۔ نابالغ بچوں کو اپنے احکامات معلوم نہیں ہوتے، اس لیے بڑوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ نابالغوں کے لیے استفتاء کریں۔

بہرحال یہ کتاب علماء، طلبہ اور مفتیانِ کرام کے لیے ایک عمدہ سوغات ہے۔ کتاب کا کاغذ، جلد اور کمپوزنگ معیاری ہے۔

پروفیسر غازی احمد صاحبؒ (سابق کرشن لال)

ڈاکٹر حافظ وقاری فیوض الرحمٰن صاحب۔ صفحات: ۸۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مسجد الفرقان، ملیر کینٹ، کراچی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن مدظلہٗ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علماء اور بزرگانِ دین کی سوانح، حالات وواقعات لکھنے کا عمدہ ذوق عطا فرمایا ہے۔ آپ کے فیضِ قلم سے کئی کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ''سوانح پروفیسر غازی احمد صاحب (سابق کرشن لال)'' کے بارہ میں آپ نے لکھی ہے۔ موصوف ہندو گھرانے میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ خواب میں مطاف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ کیا اور کلمہ شریف پڑھایا۔ استاذ سے تعبیر پوچھی، انہوں نے فرمایا: صراطِ مستقیم کی دعائیں مانگتے رہیں۔ اس پر عمل کیا اور کچھ دنوں کے بعد دل کی دنیا بدل گئی، کلمہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد آپ پر گھر والوں کی طرف سے تکلیفیں آئیں، ان کو برداشت کیا۔ یہ تمام حالات اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے مختصر حالات کے علاوہ ان کے چند مقالات اور صاحبِ مؤلف کے نام ان کے کئی خطوط اس کتاب کا حصہ ہیں۔

امید ہے باذوق حضرات اس کتاب کی ضرور قدر افزائی فرمائیں گے۔

حیاتِ انوریؒ (سوانح، ارشادات ومکتوبات)

مؤلف: ابوحذیفہ عمران فاروق۔ ترتیب وحواشی: محمد راشد انوری۔ صفحات: ۳۱۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: محمد راشد انوری باہتمام مجلس رائے پوری۔ ملنے کا پتہ: بلال انٹرپرائزز، دکان نمبر: F-1، جامع مسجد ناظم آباد نمبر: ۲، کراچی۔

بزرگوں کی سوانح، ملفوظات وارشادات، اُن کی سیرت وکردار اگلی نسلوں کے لیے نمونہ اور مشعلِ راہ ہوتے ہیں، بعد والوں کو ان میں بہت کچھ پڑھنے اور سیکھنے کو ملتا ہے، جن کو محفوظ اور شائع کرنا

ان کے متعلقین، اولاد واحفاد اور شاگردوں پر ایک حق ہوتا ہے، زیرِتبصرہ کتاب میں اسی حق کو ادا کیا گیا ہے، چنانچہ اس مجموعہ میں حضرت شیخ الہند محمود حسن قدس سرہٗ کے خادم خاص وخلیفہ مجاز، حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری نور اللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۹۷۰ء) کی سوانح، ارشادات اور مکتوبات کو جمع ومرتب کیا گیا ہے، اس جمع وترتیب کی سعادت ابوحذیفہ عمران فاروق صاحب کو حاصل ہوئی ہے۔ حضرت کے پوتے جناب محمد راشد صاحب نے اس پر حواشی کا کام کیا ہے۔

کتاب میں حضرت کا خاندانی شجرہ نسب، حصولِ علم، بیعت وخلافت، اساتذہ، تلامذہ، خلفاء، ہم عصر علماء ومشایخ، مکتوبات، ارشادات وواقعات، تصنیفات، وظائف وعملیات، شجراتِ طریقت وغیرہ جیسے مرکزی عناوین کے تحت کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں حضرتؒ کی سندات اور تحریرات کا عکس بھی دیا گیا ہے۔ کتاب کا کاغذ، ٹائٹل، جلد بندی اور کمپوزنگ وغیرہ معیاری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کو قارئین کے لیے مفید بنائے اور حضرتؒ اور اُن کے متعلقین ومرتبین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....